ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

2 جولائی 2003ء۔ یکم جمادی الاول ۱۴۲۴ھ

- اسرائیل: ہزار بار نامنظور (اداریہ)
- صدر مشرف کا غیر ملکی دورہ (تجزیہ)
- خواتین و جرائد (مکتوب شکاگو)

www.tanzeem.org

جلد 12 شمارہ 23

وقت کی اصل ضرورت

مسلمانوں کی موجودہ زبوں حالی کا کوئی علاج اس کے سوا موجود نہیں کہ دنیا کے کسی بھی گوشے میں یعنی کم از کم کسی ایک ملک میں اسلامی ریاست کا صحیح ''ماڈل'' پیش کر دیا جائے تا کہ نوعِ انسانی دین حق کی برکتوں کا مشاہدہ اپنے سر کی آنکھوں سے کر سکے اور اس طرح اس پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے اتمام حجت ہو جائے۔

تیسری بات یہ کہ فی الواقع اس مقصدِ عظیم کی خاطر پاکستان قائم ہوا ہے اور ان شاء اللہ العزیز ایک صحیح اسلامی ریاست کا ''ماڈل'' بننے کی سعادت اسی سرزمین کو حاصل ہو گی۔ چنانچہ مشیتِ ایزدی اور حکمتِ خداوندی اور گزشتہ چار سو سال کی تاریخ سے قطع نظر' یہی بات مصور و مفکر پاکستان علامہ اقبال نے اپنے 1930ء کے خطبہ الٰہ آباد میں ارشاد فرمائی تھی...... یعنی:

> ''میں محسوس کرتا ہوں کہ ہندوستان کے شمال مغربی علاقے میں ایک آزاد مسلم ریاست کا قیام تقدیر الٰہی ہے اور اگر ایسا ہو گیا تو ہمیں ایک موقع مل جائے گا کہ اسلام کی اصل تعلیمات کے چہرۂ روشن پر جو پردے عرب ملوکیت کے دور میں پڑ گئے تھے انہیں ہٹا کر اصل اسلام کی ایک جھلک نوعِ انسانی کو دکھا سکیں!''

اور یہی بات بانی و معمارِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے بھی فرمائی تھی کہ:

> ''ہم پاکستان اس لئے حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ عہد حاضر میں اسلام کے اصولِ حریت و اخوت و مساوات کا ایک عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں!''

قیام پاکستان کو اگرچہ یقیناً اسلامیانِ ہند کی بہت بڑی کامیابی اور اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے فضل و کرم کے مظہر ہونے کی حیثیت حاصل ہے' تاہم یہ ہمارے سفر کی صرف پہلی منزل ہے۔ اور ع ''وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے!'' کے مصداق سفر کا اصل اور زیادہ کٹھن مرحلہ ابھی سر کرنا ہے۔ اور اس کے لئے اگرچہ اصل ضرورت تو ایک ایسی جماعت کی ہے جو ایسے لوگوں پر مشتمل ہو جو اولاً خود اپنی ذات اور دائرۂ اختیار میں اسلام کو بالفعل نافذ کریں اور پھر نظامِ باطل کو بدلنے کے لئے نہ صرف یہ کہ تن من دھن وقف کر دیں' بلکہ جان ہتھیلی پر رکھ کر ایک مضبوط اور منظم جماعت کی صورت اختیار کر کے بالفعل ''حزب اللہ'' بن جائیں' تاہم اس کی پہلی اور کم از کم' اور قطعاً ناگزیر اور لازمی و لابدی شرط یہ ہے کہ اس حقیقت کو سمجھ اور مان لیا جائے کہ ع ''ز عشق تا بہ صبوری ہزار فرسنگ است!'' کے مصداق موجودہ جملہ مسلمان ممالک اور ایک ''حقیقی اسلامی ریاست'' میں زمین اور آسمان کا فرق ہے!

(محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی کتاب ''عہد حاضر میں اسلامی ریاست اور معیشت کے چند بنیادی مسائل'' سے ایک اقتباس)

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

﴿لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ ط وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌo لِلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِھِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَۃِ اَشْھُرٍ ج فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌo وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌo﴾

(آیت ۲۲۵ تا ۲۲۷)

’’اللہ تعالیٰ تمہاری لغو (بلا ارادہ یا عادتاً) قسموں پر گرفت نہیں کرے گا لیکن جو تم سچے دل سے قسم کھاتے ہو اس پر ضرور گرفت کرے گا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بردبار ہے۔ جو لوگ اپنی بیویوں سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھا لیں ان کے لئے چار ماہ کی مہلت ہے۔ اس دوران اگر وہ رجوع کر لیں تو اللہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے اور اگر طلاق ہی کی ٹھان لیں تو بے شک اللہ (تمہارے ارادوں کو) سننے والا جاننے والا ہے۔‘‘

عربوں میں رواج تھا کہ وہ بات بات پر واللہ باللہ (اللہ کی قسم) کے الفاظ بولتے تھے۔ یہ اُن کا تکیہ کلام تھا۔ نیت قسم کھانے کی نہ ہوتی تھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو قسمیں تم بے ارادہ کھاتے رہتے ہو ان پر تم سے کوئی مواخذہ نہیں البتہ دل کے ارادہ سے جو قسمیں کھاؤ ان پر گرفت ہو گی۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور بردبار ہے یعنی تمہاری لغو قسم کی قسموں کو وہ معاف کر دے گا ہاں وہ قسمیں جو تم ارادۃً کھاؤ گے ان کے توڑنے پر کفارہ ادا کرنا ہوگا جس کا ذکر سورۃ المائدہ میں آئے گا۔

آگے قسم کھانے سے متعلق ایک معاملے کی وضاحت ہے کہ اگر کہیں میاں بیوی کے درمیان ناچاقی ہو گئی۔ دونوں آپس میں ناراض ہو گئے اور میاں نے بیوی سے لاتعلقی اختیار کر کے زن وشو کا تعلق ختم کر دیا اور شوہر نے بیوی کے پاس جانے کی قسم کھالی (جسے ایلاء کہتے ہیں) تو ایسی صورت میں یہ لاتعلقی کی مہلت صرف چار ماہ ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ اگر چار ماہ کے اندر اندر شوہر نے رجوع کر لیا تو اب قسم کا کفارہ ادا کرے اور دونوں میاں بیوی بن کر رہیں۔ اگر میاں نے چار ماہ کے اندر اندر رجوع نہیں کیا تو خود بخود طلاق ہو جائے گی۔ لیکن اگر انہوں نے طلاق کا ارادہ ہی کر لیا ہے تو لاتعلقی کے زمانے کو طول دینے کی بجائے وہ طلاق دے دیں تاکہ وہ عورت فارغ ہو جائے اور اپنے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکے۔ شوہر کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ نہ تو وہ طلاق دے اور نہ ہی زن وشو کا تعلق رکھے۔ عورت کو اس حالت میں رکھنا مرد کے لئے سخت گناہ کی بات ہے۔ یہاں بتایا جا رہا ہے کہ اگر مرد نے طلاق کا ارادہ ہی کر لیا ہے تو اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ وہ مرد کے اس اقدام سے بخوبی واقف ہے کہ اس نے طلاق کا ارادہ کیوں کیا۔ اگر اس نے عورت کو بلاوجہ طلاق دے دی تو اس نے بہت برا کیا۔ کیونکہ طلاق اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ جائز چیزوں میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ شے طلاق ہے۔ پس مرد کو طلاق دینے سے پہلے ہزار بار سوچنا چاہئے اور عورت پر ظلم کرتے ہوئے نہ تو وہ اسے معلق رکھے اور نہ ہی بلاوجہ طلاق دے کر اُس کی شخصیت کو داغ دار کرے۔ اللہ تعالیٰ ہر بات کو سن رہا ہے اور ہر چیز کا اُسے علم ہے۔

دنیا میں گناہوں کی سزا

((عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدِہِ الْخَیْرَ عَجَّلَ لَہُ الْعُقُوْبَۃَ فِی الدُّنْیَا وَاِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدِہِ الشَّرَّ اَمْسَکَ عَنْہُ بِذَنْبِہٖ حَتّٰی یُوَافِیَ بِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ)) (رواہ الترمذی)

’’حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے لئے بھلائی کا ارادہ فرما لیتے ہیں تو دنیا میں اُسے (اس کے گناہوں کی) سزا دے دیتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کے لئے برائی کا ارادہ فرما لیتے ہیں تو اس کے گناہوں کی سزا کو قیامت تک لئے روک لیتے ہیں‘‘۔

بندۂ مومن کو جب ایمان کی لذت نصیب ہو جاتی ہے تو وہ اس زندگی کی تمام آفات وآزمائشوں کو بڑی پامردی سے جھیلتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ جب آزمائشیں میرے مالک کے اذن ہی سے وارد ہوتی ہیں اور اس میں میری بھلائی ہے تو مجھے ان کو مالک کی رضا سمجھ کر برداشت کرنا چاہئے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قیام خلافت کا نقیب

ندائے خلافت

جلد12 شمارہ 23

26جون تا2جولائی2003ء

(۲۵ربیع الثانی تا یکم جمادی الاول ۱۴۲۴ھ)

بانی: اقتدار احمد مرحوم

مدیر: حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: فرقان دانش خان

ادارۂ تحریر: سید قاسم محمود، مرزا ایوب بیگ

سردار اعوان، محمد یونس جنجوعہ

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چوہدری

مطبع: مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ لاہور

مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:

67۔گڑھی شاہو علامہ اقبال روڈ لاہور

فون: 6316638-6366638 فیکس: 6305110

E-Mail:markaz@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ: 5روپے

سالانہ زرِتعاون

اندرونِ ملک......250روپے

بیرونِ پاکستان

☆یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ

............1500روپے

☆امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ

............2200روپے

اسرائیل: ہزار بار نامنظور

قربِ قیامت کی اس سے بڑی اور واضح نشانی کیا ہوگی کہ اسلام کے نام پر قائم ہونے والی سب سے بڑی اسلامی مملکت کا صدر اور سپہ سالار یہ عندیہ دے رہا ہے کہ ہمیں نئے بین الاقوامی تناظر میں امن، تعاون اور خوشحالی کی راہ پر چلنے کی خاطر صیہونیت کے نام پر ناجائز ہتھکنڈوں سے قائم ہونے والی یہودی ریاست ''اسرائیل'' کو تسلیم کرنے پر سنجیدگی اور ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہئے۔ اسرائیل کو سچ مچ تسلیم کر لینا تو ہوگا ہی روزِ قیامت، اُسے تسلیم کرنے کے بارے میں محض سوچنا بھی قیامت کی نشانیوں میں سے نہیں ہے تو اور کیا ہے!

اسرائیل کو تسلیم کرنے کے بارے میں سنجیدگی سے غور کرنے کا یہ شاخسانہ اُس ''ون ٹو ون'' ملاقات کا پیشگی خبرنامہ ہے جو 24 جون کو جنرل پرویز مشرف اور صدر جارج ڈبلیو بش کے درمیان ہونے والی ہے۔ پہل امریکی اشارے پر اسرائیل نے اس غیر متوقع اور اچانک سرکاری اعلان مجریہ 19 جون، کے ذریعے کی کہ ''پاکستان کی طرف سے سفارتی تعلقات قائم کرنے پر اسرائیل کو خوشی ہوگی۔ اسرائیل پاکستان کو اپنا دشمن تصور نہیں کرتا۔ اسرائیل کا پاکستان کے ساتھ کوئی تنازعہ نہیں ہے۔ پاکستان کے ساتھ اسرائیل کے سفارتی و اقتصادی تعلقات قائم ہونے سے اسرائیل کے کسی دوسرے ملک (بھارت) کے ساتھ تعلقات متاثر نہیں ہوں گے۔ اسرائیل کو اس بارے میں تفصیل (ردِعمل) کا انتظار ہے''۔ اس اعلان کے دوسرے ہی روز 20 جون کو جنرل پرویز مشرف نے اپنے ردِعمل کا اظہار کرتے ہوئے ایک نجی نشریاتی ادارے کو بتایا کہ ''پاکستان کو سوچنا چاہئے کہ اگر یہ پُرامن کوشش مسئلے کے حل کی جانب بڑھتی ہے تو ہم اپنی اسرائیل پالیسی پر نظر ثانی کریں یا نہیں۔ ہمیں جذبات کی بجائے زمینی حقائق پر سنجیدگی سے سوچنا ہوگا۔ اس وقت کئی مسلم ممالک کے اسرائیل کے ساتھ تعلقات ہیں، جبکہ ہمارے پاسپورٹ پر اسرائیل کا نام تک نہیں ہے۔ ہمیں یہ دیکھنا ہوگا اور ہم دوست مسلم ممالک سے مشاورت کے بعد یہ فیصلہ کریں گے کہ اسرائیل پالیسی بدلنی ہے یا نہیں''۔

اسرائیل کے واضح سیاسی اعلان اور جواباً جنرل مشرف کے ''معنی خیز'' ڈپلومیٹک بیان کے علی الرغم پاکستانی قوم اور اس کے رہنماؤں اور دانشوروں نے انتہائی سخت اور دوٹوک انداز میں اپنا فیصلہ صادر کر دیا ہے کہ اسرائیل کو کبھی بھی اور کسی بھی صورت میں منظور نہیں کیا جائے گا، خواہ اس کے لئے کتنی بھی بڑی قربانیاں پیش کرنی پڑیں۔ اس ضمن میں کل جماعتی حریت کانفرنس جموں و کشمیر کے مرکزی رہنما مولانا عباس انصاری صاحب کا یہ بیان بھی لائق توجہ ہے کہ ''پاکستان کا اسرائیل کو تسلیم کر لینے کا مطلب یہ ہوگا کہ اسرائیل نے بہت بڑی فتح حاصل کر لی ہے۔ اسرائیل تو کشمیریوں کا دشمن ہے اور وہ مسئلہ کشمیر کے حل میں روڑے اٹکاتا رہا ہے۔ اسرائیل سے دوستی بڑھانے کے چکر میں تمام مسلمانانِ عالم کی نظر میں پاکستان کا وقار مجروح ہو جائے گا''۔ متحدہ مجلس عمل کے مرکزی جنرل سیکرٹری مولانا فضل الرحمٰن نے کہا: ''یہ بات ہمارے علم میں آئی ہے کہ کیمپ ڈیوڈ میں امریکا جو مراعات پاکستان کو دینے والا ہے، وہ اسرائیل کو تسلیم کرنے سے مشروط ہیں''۔

حقیقت یہ ہے کہ جیسا کہ قائداعظم نے فرمایا تھا: ''اسرائیل مغربی طاقتوں کا ناجائز بچہ ہے''۔ یہ دوسری جنگ عظیم کے نتیجے میں برطانیہ اور امریکا کی سازش سے وجود میں آیا تھا۔ یہ محض عربوں اور یہودیوں کا کوئی سیاسی، انتظامی یا اقتصادی مسئلہ نہیں، سوا ارب مسلمانوں کا مذہبی اور دینی مسئلہ ہے۔ اسرائیل کی ناجائز ریاست کو منظور کرنے کا خیال بھی ہمارے حکمران دل سے نکال دیں۔ یہ مسلمانوں کے قبلہ اوّل بیت المقدس کی حرمت کا سوال ہے۔ اس پر سمجھوتہ ناممکن! اسرائیل، ہزار بار نامنظور!

(ادارۂ تحریر)

ایڈیٹر کی ڈاک

نگہت آصف، آر بلاک، ماڈل ٹاؤن لاہور سے لکھتی ہیں: تازہ شمارے یعنی نمبر 21 میں آپ نے محترمہ عالیہ معروف کا ایک خط چھاپا ہے، جس میں انہوں نے یہ تجویز دی ہے کہ ''ندائے خلافت'' میں بچوں اور بچیوں کی دینی اور اسلامی تعلیمات کے لئے ایک صفحہ ''گوشہ اطفال'' کے لئے مخصوص کیا جائے۔ میں سمجھتی ہوں کہ یہ تجویز نہ صرف معقول ہے بلکہ وقت کا تقاضا ہے۔ آج کل ہمارے بچے جن مغرب زدہ، انگلش میڈیم سکولوں میں تعلیم پا رہے ہیں، اور جہاں والدین انہیں داخل کرنے پر مجبور بھی ہیں، وہاں اسلامی تعلیمات کی تعلیم و تدریس برائے نام ہے۔ زیادہ تر برطانیہ کی اوکسفورڈ یونیورسٹی اور سنگاپور سے درآمد کی گئی رنگین کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ بچوں کا صفحہ آپ ''کھیل کھیل میں تعلیم'' اور سوال و جواب وغیرہ کی صورت میں خاصا دلچسپ بنا سکتے ہیں۔ میں اس تجویز کی پوری پوری حمایت کرتی ہوں۔

ظہیر خالد صاحب، سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی کے طویل خط کا ایک اقتباس ''آپ کے مضمون نگار کا یہ کہنا درست ہے کہ پوری پاکستانی قوم کو مغربی مصنوعات کا بائیکاٹ کرنا چاہئے، لیکن یہ نہیں بتایا کہ کیونکر۔ یہی اصل چیز ہے۔ میں مانتا ہوں کہ اہل پاکستان کو یہودی مصنوعات کو چھوڑ کر قومی مصنوعات کو استعمال کرنا چاہئے۔ ان ملٹی نیشنل کمپنیوں کا 30 سے 40 فی صد حصہ اسرائیل کی فلاح و بہبود پر خرچ ہوتا ہے۔ یہ یہودی پانی اور امریکی کھانے، جن کی پاکیزگی مشکوک اور جن کا حلال ہونا ثابت نہیں، اور کچھ بھی نہیں تو ان سب کا منافع مسلم بستیوں کو اجاڑنے اور تباہ کرنے پر صرف ہوتا ہے۔ پہلے افغانستان کو تباہ کیا۔ پھر عراق کو برباد کیا۔ اب ایران کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کی دولت اور سرمایہ، خواہ وہ کرنسی اور نوٹوں کی صورت میں ہو، خواہ علوم و فنون کی دولت ہو، خواہ تیل کی دولت ہو، یہود و نصاریٰ نے خوب ہماری دولت کو لوٹا اور مسلمانوں کو غلام بناتے رہے۔ آج بھی تیل کی پائپ لائنیں شام کی طرف سے بند کر کے اسرائیل کے لئے کھولی گئی ہیں اور ادھر ہماری قوم اور دوسرے مسلم ممالک یہ چیزیں خرید خرید کر یہود کو زیادہ مضبوط کریں۔ اب بھی ہوش میں آجائیں اور جہاد کے جذبے سے یہودی مصنوعات خریدنا بند کر دیں۔ لیکن اس سوال کا جواب میرے پاس بھی نہیں ہے کہ کیونکر؟''

جناب محمد سعد اللہ کھیتران، وھوا، ضلع ڈیرہ غازی خان سے لکھتے ہیں: ''میں ایک عرصے سے ''ندائے خلافت'' کا خریدار ہوں، مگر آپ سے ہم کلام ہونے کی فرصت کبھی نہیں مل سکی۔ پریشانی اور عدیم الفرصتی کے دور میں اگر ''تھوڑے کو بہت'' سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے تو میرے خیال میں ''ندائے خلافت'' سے جامع پرچہ شاید ہی کوئی اور ہو۔ بقول جگر مرحوم ع سمٹے تو دلِ عاشق، پھیلے تو زمانہ ہے۔

''کتاب نما'' کے تحت کتابوں پر تبصرہ ہوتا ہے، لیکن بعض اوقات ان کی قیمت اور ملنے کا پتہ درج نہیں ہوتا۔ گویا آپ پیاسے کو پانی دکھا دکھا کر خود پیتے رہتے ہیں''۔

محترمہ بنت محمد علی ابراہیم، بذریعہ ای میل، کراچی سے، رومن اُردو میں لکھتی ہیں: ''میں کراچی یونیورسٹی کی طالبہ ہوں۔ مجھے تاریخ اسلام کے لازمی مضمون میں مشکل درپیش تھی۔ آپ کے قسط وار سلسلے ''تاریخ تحریک احیائے اسلام'' نے میری مشکل آسان کر دی اور بہت مدد دی۔ اس سلسلے کے علاوہ ''الہدیٰ'' اور ''فرمانِ نبویؐ'' بھی زبردست ہیں۔ رعنا ہاشم صاحبہ کا مضمون ''باباجی'' اچھا تھا۔ ''عراق نمبر'' نکالنے پر کراچی کی رفیقات کی جانب سے مبارک باد۔ اتنا انقلابی پرچہ نکالنے پر اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ کے رسالے کے توسط سے میں تمام طالب علموں اور اساتذہ کو پیغام دینا چاہتی ہوں کہ اپنے تعلیمی اداروں میں اسلامی شرم و حجاب کو فروغ دیں۔ آپ جہاں کہیں ہوں، اسلام کی نمائندگی کریں۔ اسلام ہم سے ہے، ہم اسلام سے ہیں''۔

جناب اسد قیوم کا ای میل: ''میں ''ندا'' کا قاری ہوں۔ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ صوبہ سرحد کی صوبائی اسمبلی کا منظور کردہ شریعت بل ''ندا'' میں شائع کریں گے لیکن ہم اب تک اس سے محروم ہیں۔ براہ کرم جلد از جلد شائع فرمائیں''۔

[آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمایئے۔ ان شاءاللہ]

لاہور سے اُم عمار لکھتی ہیں:

فلسطین نمبر اور اقبال نمبر کے بعد اب عراق نمبر کا شمارہ اب تک سینکڑوں نگاہوں سے گزر چکا ہوگا۔ یہ شمارہ میرے حساب سے بہترین، جامع اور زبردست مواد سے بھرپور ہے۔ عراق نمبر پڑھنے کے بعد دجلہ و فرات کی اہمیت، انسانی زندگی کے ساتھ ان کا تعلق، تاریخ اسلامی کے ساتھ اس کا چولی دامن کا ساتھ اور اس علاقے کے لئے مشیت ایزدی کی طرف سے خصوصی تعلق کے حوالے سے جہاں معلومات میں بے حد و حساب اضافہ ہوا وہاں محدثین، محققین، فلاسفرز، دانشوز، سائنسدان اور ہمارے فقہائے کرام کے اس علاقے سے تعلق کو بہت خوبصورت جامع اور مختصر انداز میں بیان کر کے ہمارے دل و دماغ کی تشنگیوں کو سیراب کیا گیا۔

مزید برآں اس خداداد صلاحیتوں والے علاقے کے ساتھ اپنوں اور غیروں کے ہاتھوں جو کچھ ہوا یا ہونے والا ہے اور اب تک کے اتار چڑھاؤ اور عروج و زوال پڑھ کر معلومات کے حوالے سے جہاں تشنگی ختم ہوئی وہاں کرب و اذیت میں بھی بہت اضافہ ہوا۔ آخری بات یہ کہ سرورق بہت جاذب نظر تھا لیکن اگر اندر کے صفحات میں سرورق میں دی گئی علامات اور تصویری انفارمیشن کی وضاحت ہو جاتی تو مزید بہتر ہوتا۔

کیمپ ڈیوڈ .... بین الاقوامی سازشوں کا امریکی اڈہ

جس وقت ''ندائے خلافت'' کا یہ شمارہ پریس میں چھپ رہا ہوگا، اُس وقت ہمارے صدرِ مملکت جنرل پرویز مشرف (بغیر وردی کے) اور امریکا کے صدر جنرل ڈبلیو بش ایک دوسرے سے دل سے دل ملا کر گفتگو کر رہے ہوں گے۔ کن اُمور پر تبادلۂ خیال ہوگا، ہمیں معلوم ہوں گے۔ کیا خفیہ اور غیر خفیہ نتائج برآمد ہوں گے، ہمیں معلوم ہیں۔ یہاں تو ہم اُس مقام کی تفصیل بتانا چاہتے ہیں جہاں پاکستانی نقطۂ نظر سے دونوں ملکوں کے درمیان اہم ترین ملاقات ہوگی۔

واشنگٹن کے نزدیک ریاست میری لینڈ کے پہاڑوں کے درمیان، خاصی بلندی پر ایک پُرسکون اور صحت افزا ماحول میں یہ مقام ''شنگریلا'' کے نام سے امریکی صدر روزویلٹ نے قائم کیا تھا، جسے بعد میں صدر آئزن ہاور نے کیمپ ڈیوڈ کا نام دیا۔ یہاں روزویلٹ سے لے کر موجودہ صدر بش تک ہر امریکی صدر فراغت، سکون اور اطمینان کے لمحات گزارتا ہے، بلکہ تیسری دنیا کے اکثر ملکوں کی قسمت اور مستقبل کے فیصلے بھی یہیں کئے جاتے ہیں یہاں صدارتی مہمان کا اعزاز امریکی صدر صرف اپنے خاص اور عزیز دوست کو دیتے ہیں، جس سے اپنی مرضی کے فیصلے کرانا مقصود ہوتا ہے۔ کیمپ ڈیوڈ کے پہلے مہمانِ خصوصی برطانیہ کے وزیراعظم چرچل تھے، جنہوں نے مئی 1943ء میں یہاں قیام کیا تھا۔ یہاں مشرقِ وسطیٰ کے مسائل کے حل کے لئے کئی دور چلے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور 1978ء کا معاہدہ ہے جو امریکا کے صدر جمی کارٹر اور مصر کے انور السادات کے درمیان ہوا تھا۔ بعد ازاں صدر کلنٹن اور یاسر عرفات نے اسرائیل اور فلسطین کے درمیان تصفیہ کرانا چاہا تھا، لیکن یہ بیل ابھی تک منڈھے نہ چڑھ سکی۔

قیام پاکستان سے اب تک 20 کے قریب پاکستان کے صدور اور وزرائے اعظم امریکا جا چکے ہیں، لیکن وائٹ ہاؤس یا بلیئر ہاؤس سے آگے جانے کا موقع انہیں نہیں دیا گیا حالانکہ ان حکمرانوں میں جنرل ایوب خان، ذوالفقار علی بھٹو، جنرل ضیاء الحق، میاں نواز شریف، بے نظیر بھٹو وغیرہ شامل تھے، لیکن یہ قرعہ جنرل پرویز مشرف ہی کے نام نکلا، کیونکہ انہیں اس وقت دنیا بھر کے تمام حکمرانوں میں امریکا کا سب سے گہرا اور قریبی دوست خیال کیا جاتا ہے۔

اصولاً یہ دنیا دارالجزاء نہیں بلکہ دارالامتحان ہے

روز محشر ہر شخص کو اپنے اعمال کا بوجھ خود اٹھانا ہوگا

انسان کی حقیقی خوش قسمتی یا بدقسمتی کا تعلق آخرت کے انجام سے ہے

ایسے شخص کا انجام جو آخرت کے بجائے صرف دنیا کا طالب ہو' عذاب جہنم کے سوا کچھ نہ ہوگا

جو آخرت کو مطلوب و مقصود بنا کر محنت کرے گا اس کی سعی مقبول ہوگی

مطالعہ سورۂ بنی اسرائیل (آیات 13 تا 19)

مسجد دارالسلام باغ جناح' لاہور میں امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید کے 20 جون 2003ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

سورۂ بنی اسرائیل کے مطالعہ کے ضمن میں اب تک ہم بارہ آیات کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ اگرچہ آج ہمیں آیت 13 سے آگے مطالعہ کرنا ہے۔ لیکن ہم پہلے آیت 12 پر ایک نظر دوبارہ ڈالیں گے کیونکہ اس آیۂ مبارکہ کا اگلے مضمون کے ساتھ ایک ربط موجود ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

''اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنا دیا سو رات کی نشانی کو ہم نے دھندلا دیا اور دن کی نشانی کو ہم نے روشن بنایا تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور تاکہ برسوں کا شمار اور حساب معلوم کر لو اور ہم نے ہر چیز کو خوب تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے''۔ (آیت: 12)

ایک دن چوبیس گھنٹے پر مشتمل ہوتا ہے لیکن اس کے روشن حصے کو بھی ہم دن ہی کہتے ہیں۔ دراصل اس دن اور رات کے سلسلے ہی سے دنیا کے تمام معاملات جڑے ہوئے ہیں۔ اسی شب و روز کے اندر انسان اپنی کوشش و محنت سے اگر چاہے تو دنیاوی ترقی بھی حاصل کر سکتا ہے اور چاہے تو اپنے کردار و اخلاق کی تعمیر کے ذریعے عاقبت سنوار سکتا ہے۔ بقول اقبال۔

سلسلہ روز و شب' تارِ حریرِ دو رنگ
جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات!

یہی بات ایک حدیث مبارکہ میں نہایت جامع انداز میں آئی ہے:

''ہر شخص جو صبح کرتا ہے وہ اپنے آپ کو بیچتا ہے کچھ وہ ہیں جو شام کو لوٹتے ہیں تو جہنم سے بچاؤ کا پروانہ لے کر جبکہ کچھ لوگ جہنم حاصل کر کے لوٹتے ہیں''۔

سورۃ العصر میں بھی اسی مضمون کی اس طرح وضاحت کی گئی ہے کہ زمانہ کو گواہ ٹھہرایا گیا:

''یہ گزرتا ہوا زمانہ (سلسلۂ روز و شب) اس حقیقت پر گواہ ہے کہ انسان ایک بہت بڑے خسارے سے دوچار ہونے والا ہے''۔

اگر آخرت سنوارنے کی فکر کرنی ہے تو اسی دنیا میں اس کے لئے اضافی محنت کرنا ہوگی۔ ایمان کے ساتھ ساتھ اعمالِ صالحہ' تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کا اہتمام بھی کرنا ہوگا۔ اگر یہ حال ہو کہ انسان اپنی خواہشاتِ نفس کو بے لگام چھوڑ دے اور ''چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی'' کا اصول اپنا لے تو چلنا تو آسان ہوگا لیکن انجام کار نقصان و خسارہ اور عذاب الیم کا مزا چکھنا ہوگا۔ لیکن جو اس عذاب سے بچنا چاہتا ہے اسے اپنی خواہشات کو پیچھے رکھ کر آخرت کے لئے محنت کرنا ہوگی اور رب کے بتائے ہوئے راستے یعنی صراط مستقیم پر چلنا ہوگا اور اس امر کا خیال رکھنا ہوگا کہ کہیں میں اپنے کسی عمل سے اپنے رب کو ناراض نہ کر بیٹھوں۔ اسی محنت کا نام عمل صالح ہے اور انہی لوگوں کے لئے جنت ہے۔ اس اعتبار سے دنیا کا یہ وقت انتہائی قیمتی ہے۔ یہی بات اگلی آیت میں بیان ہوئی ہے:

''اور ہم نے ہر انسان کی قسمت کو اس کی گردن کے ساتھ چپکا دیا ہے اور پھر قیامت کے دن ہم اس کا نامۂ اعمال اس کے واسطے سامنے کر دیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھ لے گا۔ (کہ) اپنا نامہ اعمال (خود) پڑھ لے۔ آج تو خود اپنا آپ ہی محاسب کافی ہے''۔ (آیت: 13'14)

اصل خوش قسمتی یا بدقسمتی کا تعلق آخرت کے انجام سے ہے اور یہ معاملہ انسان کے اعمال سے متعلق ہے۔ اسی سلسلۂ شب و روز میں انسان نے وہ اعمال کرنے ہیں جن پر اس کی قسمت کا دار و مدار ہے۔ وہاں اس کا اعمال نامہ اس کے ہاتھ میں تھما دیا جائے گا اور وہ اپنے بارے میں خود فیصلہ کر سکے گا کہ اس کا انجام کیا ہونا ہے۔ جو وہاں کامیاب قرار پایا حقیقی خوش نصیب وہی ہوگا اور جو وہاں ناکام قرار دیا گیا اس کی گویا قسمت ہی پھوٹ گئی۔ چنانچہ آگے فرمایا:

''جو شخص (دنیا میں) راہ ہدایت پر چلتا ہے تو وہ اپنے ہی بھلے کو چلتا ہے۔ اور جو شخص گمراہی اختیار کرتا ہے سو وہ اپنے ہی نقصان کے لئے بے راہ ہوتا ہے اور کوئی شخص کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور ہم عذاب مسلط نہیں کرتے جب تک کسی رسول کو نہیں بھیج لیتے''۔ (آیت: 15)

ایک اصولی بات تو یہ سامنے آئی کہ روز محشر ہر شخص کو اپنے اعمال کا بوجھ خود اٹھانا ہوگا۔ ہر شخص اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے' وہ اپنی بے عملی یا غلط روی کا الزام کسی دوسرے پر ڈال کر بچ نہیں سکے گا۔ ہاں اس دنیا میں جو دوسرے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں انہیں اپنے بوجھ کے علاوہ اضافی بوجھ بھی اٹھانا ہوگا۔ لیکن وہ لوگ جو اُن کے ورغلانے کی وجہ سے گمراہ ہوئے ہیں ان کے بوجھ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ اللہ نے انہیں خیر و شر کو جانچنے پرکھنے کے لئے شعور بخشا تھا اور اضافی طور پر رسولوں اور وحی کے ذریعے راہ ہدایت بھی سجھا دی تھی۔ اسی لئے فرمایا کہ اس دن ہر ایک کو خود اپنا حساب دینا ہے اور وہ کسی دوسرے کو اس کا الزام ہرگز نہ دے سکے گا۔

یہاں ایک اور اہم اصولی بات آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ دنیا میں قوموں پر عذاب اس وقت تک نہیں آتا جب تک اللہ کی طرف سے کوئی رسول آ کر دعوت و تبلیغ کے ذریعے اس قوم پر اتمامِ حجت نہ کر دے' کیونکہ اصولاً یہ دنیا دارالجزاء نہیں ہے بلکہ دارالامتحان ہے۔ اعمال کے نتائج تو قیامت کے دن نکلیں گے' لیکن اگر کوئی

قوم اللہ کے رسول کی دعوت کو ٹھکرا دے تو اسے دنیا میں ہی نیست و نابود کر دیا جاتا ہے۔ اور پوری قوم ہلاک کر دی جاتی ہے۔ دنیا میں قوموں پر آنے والے عذاب کے ضمن میں ایک اور اہم اصول کا بیان اگلی آیت میں ہے:

''اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خوش عیش لوگوں کو حکم دیتے ہیں پھر (جب) وہ لوگ وہاں فسق و فجور کا بازار گرم کرتے ہیں تو ان پر حجت تمام ہو جاتی ہے اور پھر ہم اس بستی کو تباہ اور غارت کر دیتے ہیں''۔ (آیت:16)

ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ بستی کو ہلاک کرنے کا خود فیصلہ فرماتے ہیں لیکن قرآن مجید کے دوسرے مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بستی والے خود بداعمالیوں اور معاصی میں گرفتار ہوتے ہیں تو اللہ کی طرف سے فیصلہ ہوتا ہے کہ اس گلے سڑے معاشرے سے زمین کو پاک کر دیا جائے تو آخری مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ صاحبِ ثروت لوگوں کو کھلی چھوٹ دے دی جاتی ہے اور وہ وہاں فسق و فجور کا بازار گرم کر دیتے ہیں۔ پھر جب سارا معاشرہ گناہوں کی دلدل میں غرق ہو جاتا ہے تو اللہ کا قانون عذاب ان پر لاگو ہوتا ہے اور اُس بستی کا صفایا کر دیا جاتا ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے یہاں بھی یہی کچھ ہو رہا ہے' اہل ثروت لوگ یہی کر رہے ہیں' اباحیت پرستی' سیکولرازم اور مغرب پرستی ان لوگوں کا وطیرہ ہے۔ بدقسمتی سے یہی لوگ معاشرے کا رخ متعین کرتے ہیں۔ بے پردگی' عریانی' فحاشی' مخلوط معاشرت یہ سب وہاں سے شروع ہوتا ہے اور پھر سارا معاشرہ اس بھیڑ چال میں لگ جاتا ہے۔ یہ اللہ کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ قصوروار صرف دولت مند طبقہ ہی نہیں ہوتا' چونکہ قوم کے دیگر افراد اور علماء و صوفیاء انہیں گناہوں اور منکرات سے باز رکھنے کی کوشش نہیں کرتے لہٰذا بلکہ پوری قوم قصوروار ہوتی ہے۔ چنانچہ پوری قوم پر عذاب آتا ہے۔ آگے فرمایا:

''اور ہم نے بہت سی بستیوں کو نوح علیہ السلام کے بعد ہلاک کیا۔ اور کافی ہے آپ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں کو جاننے اور دیکھنے کے لئے۔'' (آیت:17)

اس دنیا میں سب سے پہلا عذاب ہلاکت قومِ نوحؑ پر آیا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد تمام انسان ایک ہی دین پر تھے پھر آہستہ آہستہ بگاڑ آیا' حضرت نوحؑ کی بعثت تب ہوئی جب بگاڑ اپنی آخری حد کو پہنچ گیا۔ انہوں نے سینکڑوں سال تبلیغ کی مگر چند لوگ ہی ان پر ایمان لائے اس لئے اس قوم پر عذاب آیا اور پوری قوم ہلاک کر دی گئی۔ اس کے علاوہ جن بستیوں کی ہلاکت کا ذکر قرآن میں آیا ہے ان میں قوم عاد' قوم ثمود' قوم لوط' آل فرعون اور قوم شعیب شامل ہیں۔ کب کس قوم پر ہلاکت کا فیصلہ ہوتا ہے یہ اللہ ہی کو معلوم ہے اور یہ فیصلہ اسی نے کرنا ہے۔ اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں اور احوال سے خوب باخبر ہے۔

آگے فرمایا:

''جو شخص دنیا (کے نفع) کی نیت رکھے گا ہم اس شخص کو دنیا میں جتنا چاہیں گے دیں گے (اور) جس کے واسطے چاہیں گے اُسے دیں گے (لیکن) پھر ہم اس کے لئے جہنم تجویز کریں گے (اور) وہ اس میں بدحال راندۂ (درگاہ) ہو کر داخل ہوگا''۔ (آیت:18)

انسانوں میں سے کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو دنیا کے لئے بہت زیادہ بھاگ دوڑ کرتے ہیں لیکن ضروری نہیں ہے کہ انسان جس چیز کے لئے محنت کرے وہ اسے دنیا میں مل بھی جائے۔ اس لئے کہ یہ فیصلہ اللہ کا ہے کہ کسے دینا ہے اور کتنا دینا ہے۔ لیکن ایسے شخص کا انجام جو صرف دنیا کا طالب ہوتا ہے' جہنم ہے۔ جس شخص کی ساری بھاگ دوڑ اور سعی و جہد دنیا کمانے اور دنیا میں اونچا مقام حاصل کرنے کے لئے تھی' اللہ تعالیٰ اسے دنیا کی نعمتوں میں سے جتنا چاہیں گے حصہ دیں گے لیکن اس کے لئے آخرت میں رسوائی اور عذاب جہنم کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ آخرت کی نعمتوں میں سے حصہ صرف ان کو ملے گا جو آخرت کو اپنا مطلوب و مقصود بنائیں اور اس کے حصول کے لئے بھرپور سعی و جہد کریں۔ چنانچہ فرمایا:

''اور جو شخص آخرت کی نیت رکھے گا اور اس کے لئے جیسی سعی کرنی چاہئے ویسی ہی سعی بھی کرے گا بشرطیکہ وہ مومن بھی ہو' سو ایسے لوگوں کی سعی مقبول ہوگی''۔ (آیت:19)

اس معیار پر عملاً پورا اترنا ناممکن ہے کہ آخرت کے لئے کوئی اتنی سعی کرے جتنا کہ اس کا حق ہے۔ لہٰذا جب تک اللہ کی رحمت شامل نہ ہو جنت میں داخلہ ممکن نہیں۔ اگر اللہ اپنے بندوں کے کم اعمال کو شرف قبولیت فرما دے تو یہ اس کی رحمت اور کرم ہے۔ تاہم اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ انسان کو سوچنا چاہئے کہ اگر دنیا کمانے کے لئے اسے شدید محنت کرنا پڑتی ہے تو آخرت تو اس سے کروڑہا اور ارب ہا گنا زیادہ بہتر اور افضل ہے' اس کے حصول کے لئے اتنی ہی زیادہ محنت درکار ہوگی۔ بہرحال جو آخرت کو مطلوب و مقصود بنا کر زندگی گزارے گا اور اس کے شایانِ شان محنت کرے گا تو اس کی سعی مقبول ہوگی اور امید ہے کہ اللہ اس کے ساتھ کرم کا معاملہ فرمائے گا۔

حالاتِ حاضرہ:

موجودہ پاکستانی حکومت امریکہ کے دباؤ پر پہلے ہی اسلام پسند طبقات کو دبانے اور منکرات کو معروف بنا کر پیش کرنے کا مکروہ فعل سرانجام دے کر اللہ کے غضب کو دعوت دینے پر تلی ہوئی ہے' اب اسرائیل کو تسلیم کرنے کا شوشہ چھوڑ کر مسلمانوں کی غیرت کو للکارا گیا ہے۔ امریکہ جس کی رگ جاں پنجۂ یہود میں ہے' چاہتا ہے کہ اسرائیل کو پاکستان سے کوئی خطرہ نہ رہے تاکہ یہودی اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کر سکیں' جن میں پوری دنیا پر معاشی تسلط کے علاوہ مسجد اقصیٰ کی جگہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر اور گریٹر اسرائیل کا قیام سرفہرست ہیں۔ لیکن پاکستان جو عالم اسلام کی واحد ایٹمی قوت ہے' امریکہ اور یہود کی نگاہوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتی ہے۔ چنانچہ پاکستان کو اسرائیل کے مقابلے میں غیر موثر بنانے کے لئے جہاں ایک طرف پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو رول بیک کرانے کے لئے شدید دباؤ ڈالا جا رہا ہے وہاں پاکستان کو اس امر پر مجبور کرنا کہ وہ اسرائیل کو تسلیم کرے' بھی اسی امریکی پالیسی کا حصہ ہے۔

اسرائیل کے بارے میں یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ بانئ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح اور مصور و مفکر پاکستان علامہ اقبال دونوں نے اس ریاست کے قیام کی شدید مذمت کی تھی۔ قائداعظم نے اسے ''مغرب کا ناجائز بچہ'' قرار دے کر اس سے نفرت کا اظہار کیا تھا جبکہ علامہ اقبال نے یہ فرما کر کہ۔

''ہے ارض فلسطیں پہ یہودی کا اگر حق
اسپین پہ کیوں حق نہیں پھر اہل عرب کا''

یہودیوں کے اس دعوے کو مسترد کر دیا تھا کہ وہ فلسطین میں اسرائیلی ریاست قائم کرنے کے مجاز ہیں۔ درحقیقت اسرائیل ایک نسلی بنیاد پر دھونس' دھاندلی اور ظلم و جبر سے قائم ہونے والی ریاست ہے' جس نے اپنے مکروہ عزائم کی تکمیل کے لئے عالم عرب بالخصوص فلسطینیوں پر جس طرح ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا ہے' اس کی بناء پر پوری دنیا جانتی ہے کہ اسرائیل سب سے بڑا دہشت گرد ملک ہے۔ چنانچہ اسرائیل کو تسلیم کرنا ہر ظلم' دھاندلی' بے اصولی اور دہشت گردی کو تسلیم کرنے اور وجہ جواز فراہم کرنے کے مترادف ہے۔

موجودہ حکومت کے ذریعے میدان اسی رخ پر ہموار کیا جا رہا ہے لیکن کوئی بھی باغیرت مسلمان اسرائیل کو تسلیم کرنا گوارا نہیں کر سکتا۔ لہٰذا پاکستانی عوام کو اس حکومتی تجویز کا سختی سے نوٹس لیتے ہوئے اس سمت میں کسی طور پیش رفت کی اجازت نہیں دینی چاہئے۔

ضرورت ملازمت

ڈرائیور عمر 42 سال LTV لائسنس ہولڈر تجربہ 10 سال رہائشی لاہور کو لاہور ہی میں دفتری ملازمت درکار ہے۔ رابطہ: محمد نسیم خان فون: 7534709
صبح 11 بجے تا رات 9 بجے

صدر مشرف کا غیر ملکی دورہ

تحریر : مرزا ایوب بیگ

صدر مشرف یورپ اور امریکہ کے انتہائی اہم دورے پر روانہ ہو چکے ہیں۔ سربراہ مملکت کی حیثیت سے یہ ان کا طویل ترین دورہ ہو گا جو انیس دن پر محیط ہو گا۔ اس اہم دورے پر روانہ ہونے سے پہلے انہوں نے یہ بیان دے کر کہ پاکستان کو اسرائیل کے بارے میں اپنی پالیسی پر نظر ثانی کرنی چاہئے ان افواہوں کی تصدیق کی ہے کہ پاکستان پر اسرائیل کو تسلیم کرنے کے لئے زبردست دباؤ ہے اور اپنے دورۂ امریکہ کی کامیابی کے لئے ایسا بیان جاری کرنا ان کی مجبوری تھی۔ علاوہ ازیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ فی الحال یہ فیلر عوام کا ردعمل معلوم کرنے کے لئے چھوڑا گیا ہے۔ کچھ عرصہ سے سیکولر دانشور اور حکومتی موقف کو آگے بڑھانے والے کالم نویس پاکستانی مسلمانوں کو اسرائیل کو تسلیم کرنے کے فوائد گنوا رہے ہیں۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ جن عرب ممالک کے ساتھ اسرائیل کی حقیقی دشمنی ہے اور جغرافیائی تنازعات موجود ہیں وہ اسرائیل کو باری باری تسلیم کر رہے ہیں تو ہمیں کیا پڑی ہے کہ ان عربوں کی خاطر ہم اسرائیل کی دشمنی مول لیں۔ ایک دلیل یہ دی جا رہی ہے کہ بھارت ہمارا ازلی اور پیدائشی دشمن ہے وہ اسرائیل کو تسلیم کر چکا ہے اور پاکستان کے یہودی دشمن تصورات کو ہوا دے کر اسرائیل سے خوب فوائد حاصل کر رہا ہے۔ اس وقت بھارت کو اسلحہ فروخت کرنے والے ممالک میں روس کے بعد اسرائیل کا نام ہے۔ اسرائیل بھارت مشترکہ فوجی مشقیں ہوتی ہیں۔ وہ کئی شعبہ جات میں بھارت کی بھرپور مدد کر رہا ہے جبکہ اسرائیل نے سرکاری طور پر یہ بیان دیا ہے کہ اگر پاکستان اسے تسلیم کر لے تو وہ ایسا ہی تعاون پاکستان کے ساتھ بھی کرے گا۔ پھر یہ کہ امریکہ اسرائیل کے دفاع اور تحفظ کو امریکہ کا دفاع اور تحفظ قرار دے چکا ہے۔ ایسی صورت میں اسرائیل کو تسلیم کئے بغیر امریکی حمایت اور امداد حاصل کرنا ممکن نہ ہو گی۔ پاکستان بنگلہ دیش جیسے ملک کو تسلیم کر چکا ہے جو مشرقی پاکستان کے نام سے اس کے وجود کا ایک حصہ تھا اور 1971ء کے سانحہ میں اس سے الگ ہو گیا تھا تو پھر اسرائیل کو تسلیم کرنے میں کیا حرج ہے جسے نہ صرف ساری غیر عرب دنیا بلکہ کئی عرب ممالک بھی تسلیم کر چکے ہیں۔ یہودی اور ان کی ملٹی نیشنل کمپنیاں اس وقت عالمی معیشت کو کنٹرول کر رہی ہیں۔ یہودیوں کو کھلم کھلا اپنا دشمن قرار دیئے رکھنا اپنی معاشی ترقی کے راستوں کو خود مسدود کر دینے کے مترادف ہے۔ قوم کو مذہبی عصبیت سے نجات حاصل کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔ ملاؤں کو اس مذہبی عصبیت کا معمار قرار دے کر بری طرح تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اور اس طرز عمل کو حقیقت پسندی اور روشن خیالی کے خلاف قرار دیا جا رہا ہے۔ اسلام کا نام لے کر براہ راست اس پر سنگ باری کرنا ابھی کیونکہ ان کے بس کی بات نہیں ہے لہٰذا طالبانائزیشن کی اصطلاح استعمال کر کے اسلام کے خلاف زہر اگل رہے ہیں۔ راقم اسرائیل کو تسلیم کرنے کے ان فوائد اور اس کے حق میں دیئے گئے بے ہودہ دلائل کو دلائل ہی کی بنیاد پر رد کرنے سے پہلے صدر مشرف کے اس انتہائی اہم اور طویل غیر ملکی دورے پر تبصرہ کرنا چاہے گا۔

امریکہ پاکستانی حکمرانوں کو اپنے مفادات کے حق میں استعمال کرنے کا وہی پرانا طریقہ استعمال کر رہا ہے جو وہ ماضی میں بڑی کامیابی سے کرتا رہا ہے۔ پاکستان میں سیاسی اثر و رسوخ اور فوجی سطح پر عمل دخل بڑھانے کے لئے پاکستان کی معیشت پر کنٹرول حاصل کرنا لازمی تھا لہٰذا صدر ایوب کو دورۂ امریکہ کی دعوت دی گئی اور ان کا ایسا شاندار استقبال کیا گیا کہ وہ خود ششدر رہ گئے۔ پھر اقتصادی اور دفاعی امداد کا ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ بالآخر پاکستان اقتصادی لحاظ سے دیوالیہ اور دفاعی لحاظ سے مکمل طور پر امریکہ کا محتاج ہو گیا۔ اللہ بھلا کرے افغانستان کا کہ وہاں وقفہ وقفہ سے ایسی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے کہ امریکہ کو پھر مجبوراً پاکستان کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ ایک امریکی سینیٹر نے صاف طور پر اعتراف کیا ہے کہ جب بھی ہم پاکستان پر کوئی فیصلہ کن ضرب لگانے لگتے ہیں عالمی صورت حال میں ایسی تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے کہ ہمیں پاکستان کے تعاون کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ پچپن سالہ تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ بہر حال امریکہ کی طرف سے کوئی کسر باقی نہیں رہ جاتی ہمارے مقدر میں اب تک بچ نکلنا تھا۔ اب جنرل مشرف صاحب کو یہ اعزاز بخشا جا رہا ہے کہ وہ جنوبی ایشیا کے پہلے سربراہ مملکت ہوں گے جو امریکہ کے صدر کے ساتھ کیمپ ڈیوڈ میں مذاکرات کریں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نیو ورلڈ آرڈر کو عملی شکل دینے کے لئے امریکہ کو پاکستان سے کسی بڑے تعاون کی ضرورت ہے۔ مصر کے صدر انور سادات کیمپ ڈیوڈ گئے تھے تو ان کی کرسی عارضی طور پر مضبوط ہو گئی۔ اگرچہ وہ جان کی بازی ہار گئے تھے لیکن کیمپ ڈیوڈ میں امریکی مطالبات کو تسلیم کر کے مصری حکومت اور عوام کے درمیان ایسی خلیج حائل ہو گئی جس کا پاٹ وسیع تر ہوتا جا رہا ہے اور کسی وقت بھی اس کے انتہائی خوفناک نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ یاسر عرفات نے امریکی مطالبات تسلیم کرنے شروع کئے آج وہ عبرت کا نشان بنے ہوئے ہیں اور سیاسی لحاظ سے انہیں زندہ درگور کر دیا گیا ہے۔

آیئے جائزہ لیں کہ موجودہ عالمی تناظر میں امریکہ کو نیو ورلڈ آرڈر کے قیام اور اپنے مفادات کی تکمیل کے لئے پاکستان کا تعاون کہاں اور کیسے درکار ہو گا اور مشرف کی جو شاندار پذیرائی ہو گی اس کے عوض کیا طلب کیا جا سکتا ہے!

امریکہ چین کی معاشی اور دفاعی ترقی کو اپنے مفادات کے لئے خطرناک سمجھتا ہے لہٰذا چین کو محدود کر دینا اس کی ضرورت ہے۔ وہ علاقہ میں چین کے مقابلہ میں بھارت کو کھڑا کرنا چاہتا ہے لیکن بھارت کی کارکردگی کا یہ حال ہے کہ وہ ابھی تک پاکستان جیسے چھوٹے ملک سے اپنا پیچھا نہیں چھڑا سکا اور کشمیر کا مسئلہ اس کے منہ میں چھچھوندر بن گیا ہے کہ نگلا جائے نہ اگلا جائے۔ بھارت کو چین کے مقابلے میں یکسو کرنے کی ضرورت ہے لہٰذا کشمیر کے مسئلہ پر پاکستان کو بھارت کا نقطہ نظر سمجھنے کی تلقین کی جائے گی۔ امریکہ اپنے طے شدہ ایجنڈے پر آگے بڑھنے کے لئے اگرچہ افغانستان اور عراق کو تباہ و برباد کر چکا ہے فتح کے شادیانے بجائے جا چکے ہیں لیکن امریکی ابھی تک دونوں جگہ پر حالات نارمل کرنے اور امن و امان قائم کرنے میں بری طرح ناکام رہے ہیں۔ خصوصاً افغانستان میں جہاں قبضہ مکمل کئے دو سال ہونے کو ہیں امریکہ کو چھاپہ مار کارروائیوں کا سامنا ہے۔ طالبان کے دوبارہ منظم ہونے کی خبریں ہیں۔ پاکستان افغانستان کا ہمسایہ ملک ہے اور اندرونی افغانستان اثر و رسوخ کا حامل ہے لہٰذا اس دہشت گردی کا مکمل خاتمہ کرنے کے لئے پاکستان کے تعاون کی اشد ضرورت ہے۔ امریکہ عراق میں اپنی فوج گردی کو عالمی رنگ دینا چاہتا ہے لہٰذا پاکستان سے عراق میں فوج بھیجنے کا کہا جائے گا۔ اسرائیل کو پاکستان کی ایٹمی صلاحیت سے خطرہ ہے یہ خطرہ بھی موجود ہے کہ ایٹمی ٹیکنالوجی کسی عرب ملک کو ٹرانسفر کر دی جائے گی لہٰذا پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کو ٹھکانے لگانا اور اسرائیل سے تعلقات استوار کرنا بھی امریکی نقطہ نظر سے ناگزیر ہیں۔

ادھر صدر مشرف کے ذہن پر چونکہ یہ بات بری طرح سوار ہے کہ کسی ملک کا اولین اور اہم ترین مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ معاشی طور پر مستحکم ہے یا نہیں اور معاشی استحکام کے بغیر سب کچھ بیکار ہے لہٰذا ان کی زیادہ توجہ ایک ارب اسی کروڑ ڈالر کا قرضہ معاف کرانے اور تجارتی سہولتیں حاصل کرنے پر ہوگی۔ ان کے سامنے خاص طور پر سوویت یونین کی مثال ہے جو سینکڑوں ایٹم بموں اور ہائیڈروجن بموں کے باوجود معاشی عدم استحکام کی وجہ سے اپنی سالمیت برقرار نہ رکھ سکا۔ چین کی مثال بھی پیش کی جارہی ہے کہ اس نے اپنی توجہ کا مرکز اپنی معاشی ترقی کو بنایا ہوا ہے۔

راقم کی رائے میں اگرچہ یہ بات درست ہے کہ معاشی استحکام ملک کو ترقی کی پٹڑی پر ڈالنے کے لئے ازحد ضروری ہوتا ہے لیکن جنرل مشرف کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہونی چاہئے کہ کسی ملک کی جغرافیائی حدود اگر اس کا جسم ہے تو آزادی، خودمختاری، وقار اور اقتدارِ اعلیٰ کا مکمل تحفظ اس کی روح ہوتی ہے۔ یہ روح اگر مردہ یا مضمحل ہوگئی تو جسم مٹی کا ڈھیر ہے۔ یہ سوچ بھی انتہائی بچگانہ بلکہ احمقانہ ہے کہ کسی خاص مصلحت کے تحت کسی کو اپنے معاملات میں مداخلت کرنے کی اجازت دے کر کچھ فوائد حاصل کر لئے جائیں، اندرونی معاملات میں مداخلت کی جب چاہیں گے بریک لگادیں گے۔ خصوصاً کسی آمر اور ڈکٹیٹر کے لئے یہ ناممکن ہے کیونکہ اسے کرسی جانے کی صورت میں جان گنوانے کا بھی دھڑکا لگا رہتا ہے لہٰذا وہ اندرونی معاملات میں بیرونی طاقت کے مطالبے تسلیم کرتا چلا جاتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ فوج اور اس کا سربراہ ایٹمی صلاحیت کو رول بیک کرنے کے سوا باقی تمام امریکی مطالبات تسلیم کر لیں گے اور ایٹمی صلاحیت بھی کم از کم سطح پر برقرار رکھی جائے گی تاکہ بھارتی خطرہ سے محفوظ رہا جاسکے۔ اگر سوچ حقیقت میں یہی ہوئی تو امریکہ کے لئے بہت آسان ہے۔ وہ باقی تمام مطالبات فوج سے پورے کروالینے کے بعد فوج کے خلاف موجود جذبات جن میں مزید اضافہ ہوچکا ہوگا، کو ہوا دیں گے اور 71ء والی فضا قائم کرکے اگلی سول حکومت سے یہ کام کروالیں گے کیونکہ ایسی فضا میں فوج کے لئے مداخلت ممکن نہیں ہوگی۔ راقم جنرل مشرف سے بصد احترام یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہے کہ سوویت یونین کے انہدام کی اگرچہ معاشی وجوہات بھی تھیں لیکن اصل وجہ اپنی نظریاتی اساس سے انحراف تھا۔ پاکستان نے بھی اگر اپنی نظریاتی اساس سے انحراف کیا تو خاکم بدہن وہ اپنی سالمیت برقرار نہیں رکھ سکے گا۔ صدر مشرف کے لئے موقع ہے کہ وہ امریکہ اور یورپ کے مابین اختلافات کو اپنے حق میں استعمال کریں۔ فرانس اگرچہ تدریج اور احتیاط سے لیکن تسلسل سے امریکہ کی مخالفت میں بڑھتا چلا جارہا ہے۔ امریکہ ایرانی حکومت کو دھمکیاں اور اپوزیشن کو تھپکیاں دے رہا ہے جبکہ فرانس ایران کی اپوزیشن جماعت مجاہدین خلق کی اپنے ملک میں گرفتاریاں کررہا ہے۔ جنرل مشرف امریکہ کے بعد فرانس بھی جارہے ہیں۔ انہیں فرانس کا یہ طرزِ عمل کیش کروانا چاہئے۔ کہنے والے تو یہ کہتے ہیں کہ امریکہ کا عراق پر حملہ درحقیقت ڈالر اور یورو کے درمیان جنگ تھی۔ بہرحال راقم یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہے کہ مستقبل قریب میں یورپ یورو کی حفاظت میں ڈالر کے خلاف کھل کر سامنے آجائے گا اور یہ معاشی جنگ پہلے سیاسی جنگ بنے گی جس سے دنیا ایک بار پھر 'یونی پولر' نہیں رہے گی اور عین ممکن ہے کہ یہ معاشی مفادات دنیا کے کسی حصہ میں ایسے اختلافات کی صورت اختیار کرلیں کہ عسکری سطح پر بھی امریکہ اور یورپ ایک دوسرے کے خلاف کود جائیں۔ بہرحال اصل بات یہ ہے کہ ہمیں امریکہ دشمن یورپی ممالک سے اپنے رابطے تیز اور بہتر بنانے چاہئیں اور صدر مشرف صدر بش کو صاف صاف کہہ دیں کہ ہمیں ہمارے مفادات عزیز ہیں۔ امریکہ ہمیں فرانس، جرمنی اور روس کی طرف دھکیلنا پسند کرتا ہے تو یہ اس کی چوائس ہے۔

جہاں تک اسرائیل کو تسلیم کرنے اور اس کے فوائد کا تعلق ہے تو ہمیں جان لینا چاہئے کہ قرآن کریم تو ام الخبائث شراب اور جوئے کے بارے میں بھی کہتا ہے کہ ان کے کچھ نہ کچھ فوائد ہیں۔ قرآن حکیم نے واضح طور پر کہا ہے کہ یہودی کوئی ریاست قائم نہیں کرسکیں گے مگر کسی کے کندھوں پر یا کسی کے سہارے سے! اور یہ حقیقت ہے کہ اسرائیلی ریاست امریکی سہارے کی محتاج ہے۔ قرآن کریم کے ان الفاظ سے اللہ کی رضا اور پسند ظاہر ہورہی ہے۔ اسرائیلی ریاست اللہ کی پسندیدہ ریاست نہیں ہوسکتی۔ اور یہ بلاوجہ نہیں ہے۔ یہودیوں پر جب سے اللہ کا غضب نازل ہوا ہے انہوں نے انسانی تاریخ میں انتہائی بھیانک اور تخریبی رول ادا کیا ہے۔ اسرائیل کے معاملے میں ہم عربوں کی تقلید نہیں کرسکتے بلکہ سازش کے تحت قائم کردہ اس ناجائز ریاست کا قلع قمع کرنا ہمارا دینی فریضہ ہے۔ پھر یہ کہ یہ نظریاتی نہیں، نسلی ریاست ہے۔ آج کی دنیا کا قانون بھی نسلی بنیادوں پر کسی ریاست کے قیام کی اجازت نہیں دیتا۔ ہمارے دانشوروں کو اسرائیلی ریاست کے بارے میں بانیٔ پاکستان قائد اعظم کے ریمارکس کو بھی یاد رکھنا چاہئے۔ مفکر پاکستان علامہ اقبال چالاک یہود کے بارے میں جو نظریات رکھتے تھے وہ بھی ڈھکے چھپے نہیں۔ ہم یہودیوں سے جتنا بھی تعاون کریں گے وہ اپنی خصلت کے مطابق ڈسنے سے کبھی باز نہیں آئیں گے، وہ اپنے سرپرست اور محسن امریکہ کے بارے میں جو کچھ کہتے رہتے ہیں، اس سے کون واقف نہیں! اسرائیلی وزیر اعظم نتن یاہو نے واشنگٹن کی آگ لگانے کی بات کی تھی جو 11 ستمبر کو سچ کر کے دکھا دی گئی تو صدر مشرف اور ان کی حکومت ان سے کیا توقع رکھتی ہے۔ oo

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ
دینی تعلیم و تربیت سے بھی مستفید ہوں تو

قرآن کالج
آف آرٹس اینڈ سائنس (الحاق شدہ BISE)
191۔ اتاترک بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن لاہور
فون: 5833637 - 5860024

- F.A (Arts Group)
- F.A (Gen.Science)
- I.Com (Banking)
- I.Com (Computer)
- ICS (Math+Stat+Comp.)
- ICS (Math+Phys.+Comp.)
- B.A (Eco.+Maths)
- B.A(Other Combinations)

میں داخلہ لیجئے۔ انٹرمیڈیٹ کلاسز میں داخلہ فارم جمع کرانے کی آخری تاریخ 24 جولائی ہے

موقع پر تشریف لا کر کالج کی عمارت، لائبریری، کمپیوٹر لیب اور شاندار ''قرآن آڈیٹوریم'' کا معائنہ بھی کیجئے۔ نیز کالج کا تعارفی بروشر مفت اور پراسپکٹس -/30 روپے میں حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ڈاک سے منگوانے کے لئے -/40 روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں۔

زیر اہتمام
مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
36۔ کے، ماڈل ٹاؤن لاہور (فون: 5869501-03)

صدر مؤسس
ڈاکٹر اسرار احمد

ذہین و مستحق طلبہ کے لئے وظائف کی سہولت

مکتوب شکاگو

خواتین و جرائد

تحریر : رعنا ہاشم خان

آج ادبیات میں افسانہ نویسی' سوقیانہ شعرو شاعری' غزلیات' ہزلیات غرض کہ تمام فضولیات جن کو آرٹ کا خوشنما نام دیدیا گیا ہے سب ''لہو الحدیث'' میں داخل ہیں۔ لفظ ''لہو الحدیث'' کا اطلاق از روئے قرآن بری' فضول اور بے ہودہ باتوں پر ہوتا ہے اور تفسیر مدارک میں ہے کہ افسانے اور گانے لہو الحدیث ہیں۔ جس طرح نضر بن حارث نے عوام کی توجہ حضور اکرم ﷺ کی دعوت کی طرف سے ہٹانے کے لئے مکہ سے عراق جا کر شاہانِ عجم کے قصے' رستم واسفند یار کی داستانیں اور گانے والی لونڈیاں خرید کر مکہ لا کر قصہ گوئی اور رقص وسرود کی محفلیں برپا کرنی شروع کر دی تھیں بالکل وہی کردار امت کی ماؤں کو افسانوں' ناولوں اور ڈراموں میں غرق کر کے ان کی توجہ زندگی کے اہم مسائل اور اولاد کی دینی تربیت سے ہٹانے کے لئے آج کے خواتین رسائل وجرائد ادا کر رہے ہیں۔ ہر میگزین کا سرورق نازیبا لباس میں ملبوس طرح دار انداز میں مسکراتی خاتون کی تصویر سے مزین ہوتا ہے اور اندر موجود مواد بھی انہی سرورق پر براجمان خواتین کے اسٹینڈرڈ کا ہوتا ہے۔ ایڈورٹائزمنٹ بھی انتہائی گھٹیا کوالٹی کی ہوتی ہے۔ کیا واقعی پاکستانی مسلمان خواتین اپنے آپ کو سوسائٹی میں اس طرح پیش کر سکتی ہیں جو یہ جرائد ان کو بنا کر دکھا رہے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ یہ تمام ویمن میگزین' رسائل و جرائد how-to-be a model کی بجائے how-to-be a muslim woman کا درس دیں۔

ان پر ایک سرسری سی نظر ڈالنے ہی سے یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ نہ صرف یہ مغربیت اور بے راہ روی کی کھلم کھلا دعوت دے رہے ہیں بلکہ دین وشریعت کا مضحکہ بھی اڑا رہے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ تو سیکولرسٹ میڈیا اونر ہیں جو اسلام اور خاتونِ مسلم کے negative امیج کو ان رسائل وجرائد اور ڈائجسٹوں کے ذریعے مینوفیکچر کر رہے ہیں۔ دوسری وجہ ان میں لکھنے والے ایسے رائٹرز ہیں جو یا تو واقعتاً اسلام سے ناواقف ہیں یا پھر وہ اپنے قلم اور دماغ دونوں کو ان پبلیکیشنز کے کرتا دھرتاؤں کے تابع کر چکے ہیں کیونکہ جو کچھ خرافات ان میں لکھی جارہی ہے اس کی امید کم از کم کسی ذی ہوش مسلمان خاتون سے نہیں کی جاسکتی۔ خصوصاً شادی بیاہ کی ہندوانہ رسموں کو انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ پاکستانی کلچر کا جزولازم بنا کر پورٹریٹ کیا جارہا ہے۔ خواتین کو مردوں کے خلاف یہ کہہ کہہ کر اکسایا جاتا ہے کہ مَردوں اور مُردوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا کہ دونوں ہی بے حس ہوتے ہیں۔ جوان بیٹے کی اماں کو اپنے لنگور جیسے بیٹے کے لئے حور جیسی بہو لانے کا ارمان بھی ان ہی کو پڑھ پڑھ کر ہونے لگتا ہے کہ ان میں یہ کچھ سکھایا جاتا ہے کہ آنے والی بہو کمانے والی ہو سوئی سے لیکر کار تک جہیز میں لائے' حسین ہو' سلیقہ مند ایسی ہو کہ گلگلے سے لیکر گلاب جامن تک ہر چیز بنا سکے' غرض کہ پانچوں انگلیاں گھی میں ہوں اور وہ خود کڑاہی میں۔

ان میں موجود افسانے' کہانیاں' ناولٹ اور آپ بیتیاں سب کی سب صرف دنیا ہی دنیا پر مشتمل ہوتی ہیں مثلاً اس کی کار دیکھو کہیں محل نما گھر ہے تو کسی کا ہسبینڈ بہت ڈیشنگ ہے' کہیں بیرونِ ملک بسنے والوں کی خوش نصیبی کے چرچے ہیں تو کہیں کسی بزنس ٹائیکون کی اکلوتی لاڈلی بیٹی کسی مکینک پر مرمٹتی ہے۔ غرض کہ اگر حقیقت سے فرار کہیں ممکن ہو سکتا ہے تو وہ ان جرائد کے صفحات ہی ہو سکتے ہیں۔ ان جرائد کی مدیرات ان تمام باتوں کو خواتین کے پوائنٹ آف ویو سے تعبیر کرتی ہیں۔ اب نجانے وہ کون سی خواتین ہیں کیونکہ کسی مسلمہ کا پوائنٹ آف ویو اتنا سستا نہیں ہو سکتا۔ ہماری تاریخ کے اوراق پر جابجا خواتین رائٹرز نظر آتی ہیں۔ خواتین نے تقریباً ہر میدان میں طبع آزمائی کی ہے۔ اچھے معاشرتی ناول' اصلاحی افسانے' ڈیسنٹ شاعری' نصیحت آمیز خطوط' سوانح' سفر نامے' دینی موضوعات' اسلامی تاریخ' اکنامکس حتیٰ کہ سائنسی میدان میں بھی مسلم خواتین رائٹرز موجود ہیں لیکن ان سب کا مقصد خاتونِ مسلم کو وہ دینی فکر اور معلومات مہیا کرنا تھا جس کے تحت وہ اپنے بچوں کو بتا سکیں کہ اسلام صرف دین نہیں بلکہ اسلام ہی واحد دین ہے۔ لیکن افسوس جب مغربی دنیا تہذیب کے دائرے سے نکل گئی تو اس کا بھرپور اثر مسلمانوں پر بھی ہوا۔ اور یوں حقیقت نے خرافات میں کھو کر ادب کی موجودہ تھرڈ ڈگری شکل اختیار کر لی۔ اس وقت وطنِ عزیز میں شائع ہونے والے تقریباً تمام ویمن میگزین فیشن کے پھیلاؤ اور ماڈلنگ کریز میں مرکزی کردار ادا کر رہے ہیں۔ چاہے انگریزی میں نکلنے والے She یا Visage ہوں یا اردو کے پاکیزہ اور خواتین ڈائجسٹ' اصل میں سب ہی ایک ہیں۔ جس قسم کی پاکیزگی یہ جرائد معاشرے میں پھیلا رہے ہیں اس میں خاندانی تنازعات' فیشن' عشق ومحبت کے قصے' ڈیٹنگ ٹپس اور ''ہینڈسم'' اداکاروں کے انٹرویوز با آسانی دستیاب ہیں۔ اور یہ سب کچھ پیش کیا جاتا ہے زندگی کی حقیقتوں کے عنوان سے۔ اور یہ تمام "taboos" ان میں بالکل کھل کر بیان کئے جارہے ہیں اور اس سلسلے میں کسی بھی قسم کی شرم وحیاء کا مظاہرہ قطعاً نہیں کیا جارہا۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ تمام رسائل وجرائد جو کہ انتہائی پست ذہنیت کی عکاسی کرتے ہیں ہماری معاشرت میں mainstream magazines بنے بک اسٹورز کے شیلف اور نیوز اسٹینڈ سے ہوتے ہوئے کالجوں کی لائبریریوں' پبلک لائبریریوں' دکانوں' مکانوں اور طالبات کے پرسوں میں چھپتے چھپاتے ردی پیپر والے کے ٹھیلے پر براجمان ہو جاتے ہیں کہ معاشرے کا ہر طبقہ ان ''ادب پاروں'' سے برابر اور مسلسل ''فیض یاب'' ہوتا رہے۔

اب ظاہری بات ہے کہ گندگی کے اس پھیلاؤ کے ذمے دار صرف ان کے ایڈیٹرز' رائٹرز اور ڈسٹری بیوٹر ہی نہیں بلکہ ''ریڈرز'' بھی ہیں۔ یہ ریڈرز ہی کا طرزِ عمل ہے جو نہ صرف ان کی بقاء کا باعث ہے بلکہ ان کو نمبرون بھی بنا رہا ہے۔ اگر ریڈرز چاہیں تو یہ تمام رسائل وجرائد خاتونِ مسلم کے مطالعے کے لئے ان تمام ویسٹرن فیشن اینڈ بیوٹی پبلیکیشنز کا بہترین دینی نعم البدل بن سکتے ہیں جو آج ہمارے معاشرے میں وائرس کی طرح پھیلتے جا رہے ہیں۔ ریڈرز ہی کی دلچسپی کی وجہ سے ان جرائد کے ذمے داران پنجابی فلموں کے پروڈیوسرز کی طرح کندھے اچکا کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ کیا کریں جی! پبلک کی ڈیمانڈ ہی یہی ہے۔ لہٰذا اب وقت آگیا ہے کہ معزز پبلک اپنی ڈیمانڈز پر نظرِ ثانی کرے۔ ہم میں سے اکثر لوگ لوکل اخبارات اور مختلف جرائد میں ایڈیٹر کے نام خطوط پڑھا کرتے ہیں' حال ہی میں یہ سلسلہ 'ندائے خلافت' میں بھی شروع ہو چکا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے اہم بات جو ہمیں جان لینی چاہئے وہ یہ ہے کہ کسی بھی ایشو کے سلسلے میں آواز اٹھانے میں تعداد بہت اہم ہوا کرتی ہے۔ اگر ہم سب ایک ایک زبردست خط مختلف اخبارات وجرائد کے ایڈیٹرز کو ان خواتین ماہناموں پر نظرِ ثانی کے لئے لکھ سکتے ہیں تو کیا ہی اچھی بات ہے۔ اگر قابلِ اشاعت تحریر ہوگی تب بھی بہت اچھی بات ہوگی لیکن اگر قابلِ اشاعت نہ بھی ہوا تو کاؤنٹ بہر حال ضرور ہوگا۔

(باقی صفحہ 16 پر)

سید احمد شہیدؒ کے زمانے میں
مغربی سامراج کا تسلط

تحریر : سید قاسم محمود

سید احمد شہید کے زمانے میں سلطنت مغلیہ کے [illegible]مت دہلی کے مغرب میں پورا پنجاب اور پشاور تک' پچھلی قسط میں بیان ہوا' سکھ گردی کا راج تھا۔ دہلی اطراف میں مغربی سامراج کا ہزار پایہ عفریت اپنے پنجے گ[illegible] رہا تھا۔ جن لوگوں نے تاریخ پاک و ہند کا مطالعہ کر رکھا ہے' وہ خوب جانتے ہیں کہ مغربی سامراج نے اس خطے میں کیونکر پاؤں پھیلائے۔ اس سلسلۂ مضامین کے مفاد کی خاطر یہاں انتہائی اختصار کے ساتھ چار صدیوں کی سامراجی توسیعات کا قصہ بیان کیا جاتا ہے۔

پندرھویں صدی کی آخری چوتھائی اور سولھویں صدی کا بیشتر حصہ تاریخ انسانی میں ایجادات اور دریافتوں کا زمانہ کہلاتا ہے۔ 1492ء میں کولمبس نے امریکا دریافت کیا۔ 1498ء میں واسکوڈے گاما نے راس امید کے گرد چکر لگا کر ہندوستان پہنچنے کا راستہ دریافت کر لیا۔ اب اہل مغرب کے لئے ہندوستان اور انڈونیشیا تک پہنچنا آسان ہو گیا۔ ایشیا کے بحری راستوں کی دریافت سے تجارت کے علاوہ بعض ملکوں کے اندرونی سیاسی حالات پر بھی بڑا اثر پڑا۔ خاص طور پر ہندوستان تو اس سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔ مغل بادشاہ اگرچہ بڑے بہادر سپاہی اور آزمودہ کار جرنیل تھے' لیکن وہ جہاز ران نہیں تھے بلکہ انہیں کبھی اس بات کا خیال ہی نہ آیا تھا کہ ساحل کی حفاظت کا بندوبست کرنا بڑا ضروری ہے۔ ساتویں صدی سے لے کر پندرھویں صدی یعنی یورپی جہاز رانوں کے آنے تک بحر ہند میں عرب جہاز رانوں کا سکہ چلتا رہا تھا۔ اور وینس اور جینوا کے تاجر عربوں ہی سے ہندوستان کا مال تجارت خریدتے تھے۔

پرتگیز: یورپ کے جہاز رانوں میں سب سے پہلے پرتگیزی ہندوستان کے مغربی ساحل پر آئے۔ الفانسو البوکرک 1503ء میں ہندوستان کے ساحل پر اترا اور پرتگال کے بادشاہ کی امداد سے پانچ سال کی مدت میں پرتگیزوں نے اپنی طاقت اتنی بڑھا لی کہ ہندوستان کے سب چھوٹے بڑے فرماں روا ان سے چھوٹے نظر آنے لگے۔

ولندیز: پرتگیزوں نے ہندوستان کی دولت سے خوب ہاتھ رنگے۔ ان کی دیکھا دیکھی یورپ کی دوسری قوموں نے بھی اس طرف توجہ کی۔ 1602ء میں (اکبر بادشاہ کے عہد میں) ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی قائم ہوئی۔ انڈونیشیا' ملائیشیا اور سری لنکا سے انہوں نے پرتگیزوں کو بے دخل کر دیا۔ اب ولندیزیوں نے تجارت کے خیال سے ہندوستان کی طرف توجہ کی اور گجرات' بنگال' بہار اور اڑیسہ میں اپنی تجارتی کوٹھیاں اور کارخانے قائم کر لئے۔ اکبر نے اپنے "دین الٰہی" کی خاطر مغربیوں کی بہت قدر کی۔ اپنی مذہبی بحثوں میں شرکت کے لئے پادریوں کو بھی دعوت دی اور اندرون ملک عیسائیت کی تبلیغ کی بھی اجازت دی۔

انگریز: برطانیہ میں برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی وجود میں آئی۔ 1608ء میں اس کمپنی کے جہازوں نے پہلی مرتبہ ہندوستان کا رُخ کیا۔ 1612ء میں دو برطانوی جہازوں نے پرتگیزوں کو شکست دے کر بمبئی کے قریب سورت پر قبضہ کر لیا اور کچھ عرصے میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے احمد آباد' برہان پور' اجمیر اور آگرہ میں اپنی کوٹھیاں قائم کر لیں۔ برطانیہ کے سفیر سر طامس رو نے شہنشاہ جہانگیر سے اپنی قوم کے لئے خاص تجارتی مراعات حاصل کر لیں۔ 1640ء میں کمپنی نے مدراس کے شہر اور بندرگاہ کی بنیاد ڈالی۔ 1661ء میں بمبئی کی بندرگاہ پرتگال کے بادشاہ نے شاہ انگلستان کو اپنی بیٹی کے جہیز میں دے دی اور بادشاہ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کر دی۔

فرانسیسی: سب سے آخر میں فرانسیسی میدان میں آئے۔ 1664ء میں وزیر خزانہ کے ایما سے شاہ فرانس نے "فرنچ ایسٹ انڈیا کمپنی" کی داغ بیل ڈالی۔ 1668ء میں اس کمپنی نے سورت میں اپنی تجارتی کوٹھی قائم کر لی۔ 1669ء میں انہوں نے مسولی پٹم میں ایک کارخانہ کھولا۔ 1674ء میں بنگال کے حاکم شائستہ خان کی فیاضی سے انہیں بنگال کے ساحل پر کچھ زمین ہاتھ آ گئی' جہاں 1690ء میں چندر نگر کی بستی آباد ہوئی اور تجارتی کوٹھی قائم کی گئی۔ 1697ء میں انہوں نے پانڈی چری پر قبضہ کر لیا۔

جنگ پلاسی 1757ء

اب چاروں مغربی کمپنیوں میں زیادہ سے زیادہ تجارت اور سیاسی اقتدار کے لئے باہمی کشمکش ہوئی۔ مغلیہ سلطنت کی مرکزی حکومت تو پہلے ہی رو بہ زوال تھی۔ چھوٹی موٹی ریاستوں کے حکمرانوں' راجاؤں اور نوابوں نے اپنے اپنے مفاد کی خاطر کسی نہ کسی مغربی طاقت کا ساتھ دیا۔ انگریز زیادہ شاطر تھے اور زیادہ بڑے سرمایہ دار تھے' اس لئے انہوں نے اپنے یورپی حریفوں کو کچھ تو جوڑ توڑ اور کچھ اپنی قوت بازو سے مقابلے سے باہر کر دیا' اور اب ان میں سے کوئی حریف میدان میں نہ رہا تو جو علاقے قبضے میں آ چکے تھے' وہاں اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کا خیال آیا۔ بنگال میں انہیں بہت سے حقوق حاصل تھے اور انہوں نے کئی تجارتی کوٹھیاں قائم کر رکھی تھیں۔ اس لئے سب سے پہلے اسی علاقے پر قبضہ جمانے کی فکر ہوئی۔ اس صوبے کا حاکم علی وردی خان 1740ء میں قریب قریب بالکل خود مختار ہو چکا تھا۔ اس نے 1756ء میں وفات پائی اور اس کا نواسا سراج الدولہ اس کی جگہ بنگال کا نواب ہوا۔ اس نے انگریزوں کو بنگال میں مزید قلعے بنانے اور مورچہ بندیاں کرنے کی اجازت دینے سے صاف انکار کر دیا اور جب انگریزوں نے اس کے احکام کی تعمیل سے انکار کیا تو سراج الدولہ نے پہلے قاسم بازار کے برطانوی کارخانے پر قبضہ کیا' پھر کلکتہ پر چڑھ دوڑا اور اس پر بھی قبضہ کر لیا۔

جب انگریزوں کے سپہ سالار کلائیو نے دیکھا کہ نواب کو اپنی طاقت وقوت سے مرعوب کرنا یا میدان جنگ میں اس پر فتح پانا مشکل ہے تو اس نے سیاسی چالوں سے کام نکالنا چاہا۔ نواب کا سپہ سالار میر جعفر بنگال کے بڑے بااثر سرداروں میں سے تھا۔ وہ سراج الدولہ کا قرابت دار بھی تھا' کیونکہ علی وردی خان کی بہن اس سے بیاہی ہوئی تھی۔ کلائیو نے اس سے مل کر سراج الدولہ کے خلاف سازش کی۔ نواب کی فوج پلاسی کے میدان میں خندقیں کھودے پڑی تھی۔ یہیں 22 جون 1757ء کو دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ میر جعفر بھی اپنی فوج لئے موجود تھا' لیکن اس نے نواب کا ساتھ نہ دیا بلکہ چپ چاپ کھڑا رہا۔ نتیجہ یہ کہ سراج الدولہ شکست کھا کر بھاگا' لیکن پکڑا گیا۔ میر جعفر کے بیٹے میرن نے اسے قتل کر ڈالا۔ اب انگریزوں نے میر جعفر کو بنگال کی گدی پر بٹھایا اور اس کے صلے میں نئے نواب کی طرف سے ایک بہت بڑی رقم ایسٹ انڈیا کمپنی کو پیش کی گئی۔ جنگ پلاسی کی وجہ سے انگریزوں کو بنگال میں بڑا عروج نصیب ہوا۔ اس جنگ نے انگریزوں کے لئے ہندوستان کے دروازے کھول دیئے۔

انگریزوں نے مال تجارت کے علاوہ ایک انوکھی قسم کی تجارت شروع کی۔ یہ تجارت نوابوں' ان کی گدیوں اور تختوں کی تھی۔ کمپنی نے ایک نواب کو اتارا' دوسرے کو بٹھایا اور اس طرح سے خوب روپیہ کمایا۔ جب کمپنی نے محمد علی کو کرناٹک میں اور میر جعفر کو بنگال میں تخت دلایا تو اس سے

زبردست آمدنی ہوئی۔ اس کے بعد کمپنی کو اس سے سودمند دھندا اور کوئی نظر نہ آیا اور اسے اس کی لت پڑ گئی۔ وہ سال ہا سال اس کاروبار میں مصروف رہی۔ پہلے میر جعفر کو تخت پر بٹھانے کے لئے رقم وصول کی گئی۔ پھر اس کو ہٹا کر میر قاسم کو تخت پر بٹھایا گیا تو اس سے مزید روپیہ حاصل ہوا اور پھر میر قاسم کو دھتا بتا کر دوبارہ میر جعفر سے سودا طے کر لیا۔ اس کے بعد نجم الدولہ سے کاروبار کیا۔ غرضیکہ اس اتھل پتھل سے کمپنی نے تقریباً پانچ کروڑ روپیہ کمایا۔ اس کی تفصیل خاصی دلچسپ ہے:

☆1757ء میں میر جعفر کی تخت نشینی پر
(3 کروڑ 6 لاکھ 10 ہزار 500 روپے)
☆1760ء میں میر قاسم کی تخت نشینی پر
(26 لاکھ 27 ہزار 690 روپے)
☆1762ء میں میر جعفر کی دوبارہ تخت نشینی پر
(ایک کروڑ 41 لاکھ 84 ہزار 990 روپے)
☆1765ء میں نجم الدولہ کی تخت نشینی پر
(19 لاکھ 76 ہزار 900 روپے)
کل میزان: 4 کروڑ 94 لاکھ 330 روپے

[اس قسم کے طریقوں سے 1771ء تک جو رقم کمپنی اور اس کے ملازمین کے پاس پہنچی' اس کا میزان ساڑھے 29 کروڑ روپے ہوتا ہے۔ اس میں فوجی اخراجات' تاوان' نذرانے شامل نہیں ہیں)

بکسر کا معرکہ

میر جعفر کو ہٹا کر انگریزوں نے اس کی جگہ اس کے داماد میر قاسم کو بنگال کا نواب مقرر کیا۔ اس نے بردوان' مدناپور اور چٹاگانگ کے ضلعے انگریزوں کے حوالے کر دیئے۔ لیکن تھوڑے دنوں ہی میں اسے بنگال کے انتظامی معاملات میں انگریزوں کا دخل ناگوار معلوم ہونے لگا۔ کمپنی کو جو تجارتی مراعات حاصل تھیں' میر قاسم نے وہ منسوخ کر دیں۔ اس پر انگریز بھڑک اٹھے اور فوج لے کر اس پر حملہ کر دیا۔ میر قاسم نے شکست کھائی اور بھاگ کر اودھ چلا گیا۔ انگریزوں نے میر جعفر کو دوبارہ بنگال کا حاکم مقرر کر دیا۔ اب نواب وزیر اودھ شجاع الدولہ نے میر قاسم کی حمایت کا بیڑا اٹھایا۔ ان دنوں شاہ عالم ثانی بھی شجاع الدولہ کے ہاں موجود تھا۔ اس نے بھی میر قاسم کے سر پر دست شفقت رکھا۔ نواب نے بادشاہ کو ساتھ لے کر انگریزوں پر چڑھائی کی' لیکن 1764ء میں بکسر کے مقام پر شکست کھائی۔ پلاسی کی لڑائی میں جو تھوڑی بہت کسر باقی رہ گئی تھی' وہ بکسر کے معرکے نے پوری کر دی۔ یعنی بنگال اور بہار میں مکمل طور پر انگریزوں کا اقتدار قائم ہو گیا۔ شاہ عالم ثانی انگریزوں کی پناہ میں آ گیا۔ میر قاسم نے شمال مغرب کا رُخ کیا اور بالآخر گمنامی کی حالت میں وفات پائی۔ نواب اودھ نے بڑا اقتدار حاصل کر لیا تھا' لیکن بکسر کے معرکے نے اس کا زور بھی توڑ دیا۔

دیوانی کی سند

شاہ عالم ثانی انگریزوں کے قبضے میں تھا۔ کلائیو نے موقع پا کر اس سے بنگال' بہار اور اڑیسہ کی دیوانی کی سند حاصل کر لی یعنی بادشاہ نے 26 لاکھ سالانہ کے عوض ایسٹ انڈیا کمپنی کو ان علاقوں سے مال گزاری وصول کرنے کا حق عطا کر دیا۔ ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ سند کیا ہاتھ آئی' کمپنی نے ملک گیری کے راستے کا پہلا بڑا مرحلہ طے کر لیا اور اسے ایک آئینی حیثیت حاصل ہو گئی۔ گویا بنگال' بہار اور اڑیسہ میں دو حکومتیں ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔ ایک تو بادشاہ کی حکومت تھی جو نظم ونسق کی ذمہ دار تھی' دوسری کمپنی کی جو مال گزاری وصول کرتی تھی۔

دفاع کی ذمہ داری

اگلے سال 1765ء میں کلائیو نے ایک اور قدم بڑھایا۔ یعنی نواب بنگال سے بات چیت کر کے اس علاقے کے دفاع کا انتظام بھی اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور جگہ جگہ کمپنی کی فوج مقرر کر دی گئی۔ کمپنی کو دیوانی کی سند پہلے ہی حاصل ہو چکی تھی' دفاع کا انتظام ہاتھ آنے سے اس سرزمین میں انگریزوں کے اقتدار کی بنیادیں مضبوط ہو گئیں۔ انگریزوں اور نواب شجاع الدولہ کے مابین بھی اسی قسم کا دفاعی معاہدہ ہوا جس کی رو سے کڑا' الٰہ آباد' چنار' بنارس اور غازی پور پر شجاع الدولہ کی حکومت تسلیم کر لی گئی۔ اس کے عوض شجاع الدولہ نے پندرہ لاکھ روپیہ انگریزوں کو ادا کیا۔ کمپنی نے اودھ کی حدود سلطنت کا دفاع اپنے ذمے لے لیا۔ دفاعی اخراجات برداشت کرنے کا ذمہ نواب اودھ نے لیا۔

اس کے ساتھ ہی ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ ویلزلی نے یہاں کے حکمرانوں کی باہمی کشمکش اور خانہ جنگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے رُسوائے زمانہ معاہدے ''سب سڈی ایری سسٹم'' میں ہندوستانی ریاستوں کے حکمرانوں کو جکڑ لیا۔ یہ حکمران انگریزوں سے مشورہ کئے بغیر نہ کسی سے صلح کر سکتے تھے نہ جنگ۔ کسی مغربی ملک کا کوئی باشندہ اپنی فوج یا دربار میں ملازم نہ رکھتے تھے۔ ہر حکمران کو ریاست کی حفاظت کے لئے انگریزی فوج رکھنی پڑتی تھی' جس کے اخراجات کے لئے انہیں اپنی ریاست کا ایک علاقہ انگریزوں کو دینا پڑتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس طرح ریاستوں کے حکمرانوں کی آزادی ختم ہو گئی اور وہ انگریزوں کے دست نگر بن گئے۔

گویا پاک وہند کے حکمرانوں کی خودغرضی اور نالائقی کی بدولت سید احمد شہید کے زمانے تک آتے آتے بنگال' بہار' اڑیسہ' یوپی' مدراس' حیدرآباد اور ہندوستان کے مغربی ساحلی علاقے انگریزوں کے زیر اقتدار آ چکے تھے۔ شمال مغربی حصے میں سکھوں کی اور سید احمد کے وقت میں راجہ رنجیت سنگھ کی حکومت تھی۔ گویا ظاہر ہے کہ سید احمد کے دائیں ہاتھ انگریزوں کی طاقت تھی اور بائیں ہاتھ سکھوں کی طاقت۔ انہیں فیصلہ یہ کرنا تھا کہ پہلے کس سے پنجہ آزمائی کی جائے!

انگریزوں کے خلاف مزاحمتی تحریکیں

یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے کہ اہل ہند' بالخصوص مسلمانانِ ہند نے کھلے دل سے انگریزوں کی اطاعت قبول کر لی ہو اور برطانوی استعمار کے خلاف مزاحمتی تحریکیں اور بغاوتیں نہ کی ہوں۔ چھوٹی موٹی مضطربانہ اور باغیانہ تحریکیں ہر جگہ نظر آتی ہیں۔ بعض بڑی تحریکیں ایسی ہیں جن کو مورخین نے دانستہ یا نادانستہ نظر انداز کیا ہے' مثلاً حافظ رحمت خان روہیلہ کی تحریک اگر کامیاب ہو جاتی تو بہت ممکن تھا کہ یہ حکومت سلطنت مغلیہ کی جگہ لے لیتی۔ 17 اپریل 1774ء کو اس نے بڑی شجاعت کے ساتھ انگریزوں اور (غدار) نواب اودھ کی متحدہ فوجوں کا مقابلہ کرتے ہوئے شہادت پائی۔ ٹھیک پچیس سال کے بعد ٹیپو سلطان کی عظیم الشان مزاحمتی تحریک اور اس کے نقطۂ عروج پر سلطان کی شہادت (4 مئی 1799ء) اور جنوبی ہند پر انگریزوں کا قبضہ مسلم ہندوستان کے لئے ایک سانحہ عظیم تھا۔ اس دور میں صرف وہی ایک ایسا شخص تھا جس میں یہ قابلیت تھی کہ انگریزوں پر غلبہ حاصل کر کے' مسلمانوں کو پھر عظمت واقتدار کے مقام پر استحکام کے ساتھ قائم کر دیتا۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں نے حافظ رحمت خان کی طرح اس کا بھی ساتھ نہ دیا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے ہیرو سید احمد کیا فیصلہ کرتے ہیں! وہ بیک وقت انگریزوں اور سکھوں پر جہادی تحریک لائیں گے یا پہلے انگریزوں پر اور پھر سکھوں پر یا پہلے سکھوں پر اور پھر انگریزوں پر؟ ان کا فیصلہ آنے تک ہم ذرا بنگال تک ہو آئیں جہاں ان کے ایک ہم عصر اور ہم خیال حاجی شریعت اللہ نے ''فرائضی تحریک'' شروع کر رکھی ہے۔ یہ ایک اصلاحی تحریک ہے جس کے پردے میں انگریزوں کے خلاف مزاحمتی تحریک کا سلسلہ بھی جاری ہے۔

دعائے مغفرت

تنظیم اسلامی پشاور کے مبتدی رفیق جناب صاحب گل کے والد صاحب بقضائے الٰہی وفات پا چکے ہیں۔ رفقاء واحباب سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اب نواب بننے کے لئے کھیل کود ضروری ہے!

تحریر : محمد سمیع' کراچی

* انکل' کھیل اور کھلاڑیوں کے بارے میں آپ کو وہ ضرب المثل تو ضرور یاد ہوگی۔ ''لکھو گے پڑھو گے ہو گے نواب' کھیلو گے کودو گے ہو گے خراب'' ضرب المثل الٹی ہو گئی ہے۔ کھیل اور کھلاڑی لاکھوں میں کھیل رہے ہیں اور پڑھے لکھے لوگ جوتیاں چٹخاتے پھر رہے ہیں۔ انہیں کوئی روزگار دینے کے لئے تیار نہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ لوگ مینار پاکستان سے کود کود کر خودکشی کر رہے ہیں۔ وہ مینار پاکستان کہ جس پارک میں یہ مینار واقع ہے وہاں قرارداد پاکستان منظور ہوئی تھی۔ قرارداد پاکستان کی منظوری دیتے ہوئے قائدین پاکستان کے ذہنوں میں یہ بات تھی کہ پاکستان کے قیام سے ہمیں غیر منقسم ہندوستان میں جو مسائل درپیش ہیں ان کا ازالہ ہو جائے گا۔ یا وہ یہ سوچ رہے تھے کہ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہوگی جو دنیا کے لئے مینارۂ نور ثابت ہوگی۔ دونوں میں سے کوئی بات تو نہ ہوئی۔ نصف صدی سے زیادہ کا عرصہ گزر گیا پاکستان کے وجود میں آئے ہوئے' نہ ہمیں معاشی آسودگی حاصل ہوئی (بلکہ اس کے برعکس ہم غیر ملکی قرضوں میں جکڑ گئے ہیں اور اس کا منفی اثر ہماری سیاست' معیشت اور معاشرت سب پر پڑ رہا ہے۔ قرارداد مقاصد کی منظوری کے باوجود ہم سودی نظام جاری رکھ کے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ حالت جنگ میں ہیں۔ جس قوم کے ہیرو مولانا محمد علی جوہر' علامہ اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح جیسی معزز ہستیاں ہوا کرتی تھیں' اس نے گویوں' کھلاڑیوں اور فلم آرٹسٹوں کو اپنا قومی ہیرو بنا لیا ہے۔ وہ نوجوان اپنی دھن میں بولے جا رہا تھا۔ اس کے سامنے تازہ اخبار پڑا تھا جو مشہور کرکٹرز کی تصاویر سے مزین تھا۔

ہاں بیٹے! آپ درست کہتے ہیں۔ ہمارے قائدین نے جس پاکستان کا خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر تو ہمیں اب تک نہیں ملی البتہ ایک ایسا پاکستان وجود میں آ گیا جو ربع صدی تک بھی قائم نہیں رہ سکا اور دولخت ہو گیا اور آج لوگ یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ قائداعظم کا بنایا ہوا پاکستان تو 1971ء میں ختم ہو گیا۔ اب جو پاکستان بچ رہا ہے اسے ہرگز علامہ اقبال کے خوابوں کی تعبیر تو نہیں کہا جا سکتا البتہ یہ کسی دیوانے کا خواب ضرور لگتا ہے۔ اس کی وجہ وہ سازشیں ہیں جو اول دن سے اس مملکت خداداد کے خلاف اندرونی اور بیرونی سطح پر جاری ہیں۔ آپ نے جو کرکٹرز کا تذکرہ چھیڑا ہے تو میں پاکستان میں اس کی تاریخ مختصر طور پر بیان کئے دیتا ہوں۔

سب سے پہلے یہ بات نوٹ کر لیجئے کہ جو قومیں آج کی دنیا کی بڑی طاقتیں شمار ہوتی ہیں ان کے ہاں کرکٹ کی عیاشی نہیں ہوتی۔ امریکہ' روس' فرانس' جرمنی یا چین میں آپ کو یہ کھیل کہیں نظر نہیں آئے گا۔ ہاں ایک بات اور نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ کرکٹ برطانیہ میں کھیلی جاتی تھی اور ہے۔ یہ کھیل اس وقت شروع ہوا جب تاج برطانیہ کے حدود میں کبھی سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ برطانیہ کے زیرنگیں ملکوں کی دولت پر وہاں کے فیوڈل لارڈز عیش کرتے تھے۔ انہیں کوئی غم روزگار تو تھا نہیں' کرکٹ کھیل کر وہ اپنا وقت گزارتے تھے۔ اگرچہ آج برطانیہ کا تسلط ان ملکوں پر باقی نہیں رہا لیکن ان میں غلامی کی عادت اتنی پختہ ہو چکی ہے کہ وہی ممالک کرکٹ کا علم بلند کئے ہوئے ہیں۔ یہ صرف کھیل کے شعبہ کی بات نہیں۔ تعلیم کے شعبے میں دیکھ لیجئے۔ موسم گرما کی چھٹیاں جون' جولائی میں ہوتی ہیں جبکہ شدید گرمیوں کے دن ان مہینوں میں کم ہی آتے ہیں۔ ہم موسم گرما کے نام پر تعلیمی اداروں میں دو ماہ کی چھٹیاں لازماً کرتے ہیں لیکن کسی حکومت نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ موسم گرما کی تعطیل میں ایک ماہ کی کمی کر کے ماہ رمضان المبارک میں چھٹیوں کو رائج کریں تاکہ طلباء و طالبات کو روزہ رکھنے میں سہولت ہو۔ اسی طرح انگریزوں نے موسم سرما کے ساتھ کرسمس اور نیو ایئر ڈے کی چھٹی منسلک کر دی تھی۔ ہم آج بھی ان کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ (کراچی میں ماہ جولائی میں موسم عموماً ابر آلود رہتا ہے اور شدید سردی عموماً موسم سرما کی چھٹیوں کے گزرنے کے بعد پڑتی ہے) اسے کہتے ہیں وفاداری بشرط استواری۔ کرکٹ کے کھیل میں تو ہم اس قدر آگے گئے ہیں کہ عید کے موقع پر بھی کرکٹ کھیلنے کو ترجیح دیتے ہیں جبکہ ویسٹ انڈیز جیسی ٹیم کرسمس کے دن کرکٹ کھیلنے سے انکار کر دیتی ہے۔

کرکٹ پہلے شوقیہ کھیلی جاتی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک انٹرویو کے دوران لعل ماسٹر حنیف محمد نے بتایا تھا کہ اسے ایک دن کے کھیل کے معاوضہ کے طور پر پندرہ روپے ملا کرتے تھے اور وہ اسٹیڈیم اپنی بائیک پر آیا کرتے تھے۔ پھر یہ کھیل پروفیشنل ہو گیا۔ ہمارے کرکٹرز کو کاؤنٹیز کی جانب سے کھیلنے کی پیشکش ہونے لگی۔ پھر تو کھلاڑیوں کے وارے نیارے ہو گئے۔ پہلے ٹی وی کا اتنا رواج نہ تھا' لہٰذا لوگ عموماً ریڈیو پر عمر قریشی مرحوم کی کمنٹری سنا کرتے تھے۔ لیکن پھر ٹی وی نے اس کھیل کو گھر گھر پہنچا دیا۔ اب صورتحال یہ ہے کہ ہمارا ٹی وی معمول کے تمام پروگرام معطل کر کے لوگوں کو کرکٹ دیکھنے میں مصروف رکھتا ہے۔ اسپانسرز سگریٹ مینوفیکچرز ہوتے ہیں اور قوم کو غالباً سگریٹ نوشی پر آمادہ کرنے کے لئے محکمہ صحت کی جانب سے ایک نوٹ دکھا دیا جاتا ہے کہ سگریٹ نوشی سے کینسر ہوتا ہے۔ یہ منافقت عرصے سے ٹی وی اسکرین پر جاری ہے اور کوئی اللہ کا بندہ اس کے خلاف آواز بلند کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ بال بال قرضوں میں جکڑی ہوئی قوم پورے ٹورنامنٹ کے دوران اپنے تمام کام کو پس پشت ڈال کر ٹی وی کے سامنے بیٹھی ہوتی ہے۔ ایک دن کی ہڑتال ہو جائے تو کہتے ہیں کہ اربوں کا نقصان ہوتا ہے۔ کرکٹ دیکھنے کے کریز کے نتیجے میں کس قدر زبردست قومی نقصان ہوتا ہے اس کا اندازہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔

کیری پیکر نے ون ڈے کرکٹ کا رواج دیا۔ پھر سٹے بازی شروع ہوئی۔ پہلے شوقیہ کھیلنے والے قوم کی پرچم کو اونچا رکھنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دیتے تھے' اب پروفیشنل کھلاڑی سٹے کی رقم حاصل کرنے کے لئے آسانی سے ہار جاتے ہیں اور قوم کی غیرت وحمیت کے پرچم کو سرنگوں کر دیتے ہیں۔ ''سٹہ'' کا شور بلند ہوتا ہے لیکن کسی کھلاڑی کے خلاف آج تک کوئی سخت اقدام نہیں اٹھایا گیا۔ قوم کی عزت سے کھیلنے والے کھلاڑی قوم کے ہیرو ہی رہتے ہیں۔ پھر کیوں نہ وہ ضرب المثل الٹ جائے اس طرح کہ ''پڑھو گے لکھو گے ہو گے خراب' کھیلو گے کودو گے ہو گے نواب''

ضرورت رشتہ

بیٹی' عمر 23 سال' ایم اے ایجوکیشن' خوبصورت' نیک سیرت' باپردہ' نماز روزہ کی پابند کے لئے نیک' دینی مزاج کا حامل رشتہ درکار ہے۔ رابطہ: معرفت ندائے خلافت

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

ہم غرور سے کیسے بچ سکتے ہیں؟

بنت محمد علی ابراهیم

''کبر میری چادر ہے۔ جو اسے کھینچتا ہے' میں اسے ذلیل وخوار کردیتا ہوں۔''

اس حدیث قدسی میں جس معاملے کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے' وہ بہت سنگین اور خطرناک ہے۔ اگر اللہ کے بندے اللہ تعالیٰ کی خاص صفت کو اپنے لئے اختیار کرتے ہیں تو یہ اللہ کے نزدیک بہت ناپسندیدہ اور قبیح فعل ہے۔ تمام حیثیت ووجاہت اور جلالت وکبریائی ذات باری تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں یہ وعید سنائی گئی ہے کہ ''غرور کرنے والا جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا اور جنت کی خوشبو میلوں دور سے آرہی ہوگی۔''

خسرانِ مبین کی یہ وعید اس شخص کے لئے سنائی گئی ہے جو اپنے رب کی چادر کو کھینچتا ہے' اس کے بندوں کو حقیر جانتا ہے اور اس کی زمین پر اکڑ کر چلتا ہے۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو عجز کی نصیحت یوں فرمائی کہ:

''اور از راہِ غرور لوگوں سے گال نہ پھلانا اور زمین میں اکڑ کر نہ چلنا کہ اللہ کسی اترانے والے شیخی خورے کو پسند نہیں فرماتا۔ اپنی چال میں اعتدال اختیار کئے رہنا اور بولتے وقت آواز نیچی رکھنا کیونکہ اونچی آواز گدھے کی آواز جیسی ہے۔''

غرور کے عام فہم معنی دھوکہ کے ہیں۔ قرآنِ کریم میں بارہا یہ لفظ دھوکے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ سورۂ انفطار کی آیات 6 تا 8 میں رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''اے انسان تجھ کو اپنے ربِ کریم کے بارے میں کس چیز نے دھوکا دیا؟ وہی تو ہے جس نے تجھے پیدا کیا اور سنوارا اور برابر کیا (اعضاء میں اعتدال پیدا کیا) جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔''

غرور وتکبر کی بابت احادیث میں بہت کڑی سزائیں وارد ہوئی ہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ مومن کی کامل شخصیت میں کبر کا شائبہ بھی پسند نہیں فرماتے۔ سوال یہ ہے کہ ہم کبر سے کس طرح بچیں اور اپنے اندر عجز وانکسار کو کس طرح سے جگہ دیں؟ اس ضمن میں آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویؐ ہماری رہنمائی کا باعث ہیں۔ درحقیقت ساری بات ہمارے اپنے ارادہ اور عزم کی ہے۔

پہلی صورت یہ ہے کہ ہم شکر کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیں۔ ہمارے ذہن میں ہر وقت یہ تصور موجود رہے کہ ہم اللہ کی عطا کردہ ہر نعمت کی بابت اس کے سامنے جوابدہ ہیں۔ وہ اس بات پر قادر ہے کہ اس نعمت کو ہم سے چھین لے یا ہر وہ صلاحیت اور قوت چھین لے جن کی بدولت یہ نعمت ہمارے استعمال میں ہے۔ صحابہ کرامؓ کی زندگیاں عجز سے عبارت تھیں۔ وہ ہر لمحہ اللہ کے آگے شکر گزار رہتے تھے' کیونکہ شکر' عجز میں اضافے کا موجب ہوتا ہے۔

احادیث میں موجود واقعات سے یہ بات ثابت ہے کہ شکر نہ صرف عجز میں اضافے کا باعث ہے بلکہ رزق کے بڑھ جانے کا بھی سبب ہے۔

بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نماز ادا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپؐ کے پاؤں مبارک میں ورم آجاتا۔ آپؐ سے اس سلسلہ میں عرض کیا جاتا تو آپؐ فرماتے کہ ''کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں!''

اللہ تعالیٰ کے شکر کے بعد اس کے ان بندوں کا بھی شکر ادا کیا جائے جن کے ذریعے سے کوئی بھی نعمت یا بھلائی ہمیں حاصل ہو۔ سب سے بڑی نعمت' ہدایت ہے۔ اگر کوئی ہماری ہدایت کا ذریعہ بنا ہو تو اس کا شکریہ بھی ادا کیا جائے اور اس کے حق میں دعا بھی کی جائے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا۔''

اپنے ساتھیوں اور احباب کے احسانات کا شکر ادا کرنا ہمارا شیوہ ہونا چاہئے۔

غرور وتکبر سے براءت کے لئے دوسرے قدم کے طور پر ہمیں ہر رزق اور عطیۂ خداوندی کی قدر کرنی ہوگی۔ رزق کی ناقدری اور اس کا غلط استعمال بندے کو اللہ سے بے نیاز اور خود پسندی جیسی برائیوں میں مبتلا کردیتا ہے۔

بخاری کی ایک حدیث میں بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر ملتا ہے جس کے متعلق نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''ایک شخص عمدہ جوڑا زیب تن کئے ہوئے مونڈھوں تک لمبے بال' خوب اچھی طرح سنور کر نکلتا ہے۔ اس کے نفس نے اس کو عجب اور خود پسندی میں مبتلا کردیا ہے کہ اچانک اللہ اس کو زمین میں دھنسا دیتا ہے۔ اب وہ قیامت کے دن تک اسی طرح زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔''

مسلم شریف میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر نہیں فرماتے جو غرور وتکبر کی وجہ سے کپڑے پہنے پھر رہا ہو۔''

مسلم شریف کی ایک اور حدیث اس معاملے کو مزید واضح کردیتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔ ایک صحابیؓ نے عرض کیا: اگر کوئی آدمی یہ چاہے کہ اس کی پوشاک اچھی ہو اور اس کے جوتے عمدہ ہوں؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ جمیل اور خوبصورت ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے۔ تکبر حق کو ہٹ دھرمی کے ساتھ نہ ماننا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔'' دین میں ایک دوسرے پر رشک کرنا بھی کبر سے بچاتا ہے۔

صحیح بخاری میں اس ضمن میں دو احادیث ملتی ہیں۔ ایک میں ارشاد نبویؐ ہے کہ ''صرف دو آدمی قابل رشک ہیں۔ ایک وہ جسے اللہ نے قرآن کی نعمت سے نوازا' پھر وہ رات اور دن کے اوقات میں اس میں لگا رہتا ہے اور دوسرا وہ ہے جسے اللہ نے مال ودولت عطا کی' پھر وہ دن رات کے اوقات میں اسے صدقہ کرتا ہے۔''

دوسری حدیث کے مطابق ''صرف دو لوگ قابل رشک ہیں۔ ایک وہ جسے اللہ نے مال عطا فرمایا' پھر اسے راہِ حق میں وہ مال خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور دوسرا وہ جسے اللہ نے حکمت بخشی' جس کے ذریعے وہ فیصلہ کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔''

ثابت ہوا کہ دینی امور میں رشک کرنا جائز ہے۔ حضور اکرم ﷺ اپنے بلند مرتبے کے باوجود عام مسلمانوں پر رشک کیا کرتے تھے جن میں حضرت مصعب بن عمیرؓ' حضرت بلالؓ' حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نام قابل ذکر ہیں۔ آپؐ شہید کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے اور اللہ سے شہادت کی موت کی آرزو کرتے تھے۔

اپنے کردار میں عجز پیدا کرنے کے لئے چوتھی خوبی اپنی غلطیوں کو تسلیم کرنا ہے۔ ہمارے رویئے سے جس کو تکلیف پہنچی ہے' اس سے معافی طلب کریں اور دوسروں کی معذرتیں قبول کرکے انہیں بھی معاف کریں۔

ایک اور حدیث مبارکہ کے مطابق سلام کرنے میں پہل کرنے والے شخص کو غرور وتکبر سے بری قرار دیا گیا ہے۔

یہ وہ لوازم ہیں جن کو اختیار کرکے ہم عباد الرحمٰن کی ایک خصوصیت اپنے اندر پیدا کرسکتے ہیں یعنی عاجزی و انکساری۔

کتاب نما

سید احمد شہیدؒ کے روحانی سلسلے

نئی کتاب کا تعارف

یہ حسن اتفاق کی بات ہے کہ زیر نظر کتاب بعنوان ''سید احمد شہید اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے روحانی رشتے'' ایسے وقت میں عطا ہوئی ہے جب سید شہید کے حالات و اذکار ''ندائے خلافت'' میں روشن ہو رہے ہیں۔ اسے بھی حسن اتفاق ہی کہنا چاہئے کہ یہ عطا اس درویش کی جانب سے ہے جس کا شمار سید احمد شہید کی باقیات الصالحات میں ہوتا ہے۔ میری مراد سید نفیس الحسینی سے ہے جو عصر حاضر کے ممتاز ترین خطاط' سلسلۂ تصوف میں عبادت و سلوک' اور سلسلۂ طریقت میں جہاد پر عمل کرنے میں سید احمد کے سچے پیروکار اور مقلد ہیں۔ آپ کے والد محترم سید محمد اشرف زیدی بھی قرآن مجید کے اعلیٰ پائے کے خطاط تھے۔ سید انور حسین صاحب (المعروف بہ نفیس رقم) سے راقم کی محبت کا رشتہ پچاس سال سے اُس وقت سے قائم ہے جب آپ ''نوائے وقت'' کے شعبۂ کتابت سے وابستہ تھے۔ پھر اُن کے جی میں کیا آئی کہ 1957ء میں یکا یک ''نوائے وقت'' کی ملازمت ترک کر کے خدمت دین کی طرف راغب ہوئے اور مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کے دست اقدس پر بیعت کی۔ سید کا سلسلۂ نسب پہلے ہی حضرت خواجہ گیسو دراز (گلبرگہ شریف) سے براہ راست ملتا ہے' اب سلسلۂ رشد و ہدایت بھی ایسے معنوی خاندان میں ہوا جس کی چھٹی پشت میں جا کر سید نفیس الحسینی کا تعلق براہ راست سید احمد شہید سے قائم ہو جاتا ہے۔ راقم السطور کو بارہا سید صاحب کے حجرے میں جانے اور روحانی فیوض سے مستفیض ہونے کا موقع ملا۔ میں جب بھی وہاں سے اٹھا' ہمیشہ یوں محسوس ہوا کہ جیسے سید احمد شہید کے آداب نشست و برخواست' آداب طعام' آداب عبادت' آداب سلوک و ہدایت بالکل ایسے ہی ہوتے ہوں گے۔ سچے مرید کی شناخت یہی ہوتی ہے کہ اسے دیکھ کر اس کا مرشد یاد آ جائے۔

بلاکم و کاست کہا جا سکتا ہے کہ شاہ ولی اللہ اور ان کے اہل خاندان اور ولی اللّٰہی تحریک اور سید احمد شہید کی جہادی تحریک کے بارے میں جتنا نایاب اور قیمتی مواد سید صاحب کے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے' شاید ہی پاک و ہند میں کسی اور جگہ محفوظ ہو۔ انہی کی تحریک سے اب شاہ ولی اللہ اور سید احمد شہید کے تذکرے تاریخ کے گم شدہ انبار سے نکل کر پھر سے سامنے آنے لگے ہیں اور ان کو حیرت آمیز قدر افزائی کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ اس سے پہلے 1975ء میں اپنی قائم کردہ ''سید احمد شہید اکیڈمی'' کی طرف سے سید صاحب نے ''مکاتیب سید احمد شہید'' کتابی صورت میں یکجا شائع کئے تھے۔ اب زیر نظر کتاب میں سید شہید کے چار قریبی اور عزیز مریدانِ باصفا (یعنی حاجی عبدالرحیم ولایتی' سید نصیر الدین دہلوی' حضرت میانجیو نور محمد جھنجھانوی اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی) کے سوانح و خدمات پر چار ابواب الگ الگ باندھے ہیں۔ پہلے باب میں سید احمد شہید کے حالات زندگی اختصار کے ساتھ قلم بند کئے ہیں جو دراصل مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی گراں قدر تالیف ''سیرت سید احمد شہید'' سے ماخوذ و ملخص ہے۔

دوسرا باب سید احمد شہید کے محب اور جاں نثار شاہ حاجی عبدالرحیم ولایتی کے لئے مخصوص ہے۔ انہوں نے حضرت سید احمد شہید سے اس وقت بیعت کا شرف حاصل کیا جب دو آبے کا مشہور تاریخی و تبلیغی دورہ کرتے ہوئے سید صاحب سہارن پور میں رونق افروز ہوئے۔ مولانا عبدالحی اور مولانا محمد اسماعیل سید احمد کے ہمرکاب تھے۔ ان کے مواعظ سے بہت اصلاح و انقلاب ہوا۔ شاہ عبدالرحیم ولایتی بھی ان کی مجلس میں تشریف لائے اور سید صاحب اور ان کے رفقاء کے مجاہدانہ خیالات سے سرفراز ہوئے تو ان کی قلب ماہیت ہو گئی اور وہ اپنے سینکڑوں مریدوں سمیت سید احمد کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔ حاجی صاحب اپنا حال خود بیان کرتے ہیں: ''جب اللہ تعالیٰ نے سید صاحب کو سہارن پور پہنچایا اور مجھ سے ملایا اور مجھ کو توفیق دی کہ میں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اور ان کا طریقہ دیکھا' اس وقت اپنے نزدیک مجھ کو یہ خیال ہوا کہ اگر میں اس حالت میں مر جاتا تو میری موت بری موت ہوتی۔ پھر میں نے اپنے سب مریدوں سے کہا کہ اگر تم اپنی عاقبت بخیر چاہتے ہو تو اب دوسری مرتبہ ان سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر و یا اس عقیدے سے میری ہی بیعت کرو۔ اور جو نہ کرے گا' وہ جانے۔ میں نے آگاہ کر دیا ہے۔ اس کا مواخذہ قیامت کے روز مجھ سے نہیں۔ پھر سب نے دوبارہ بیعت کی۔ سو میں نے تمام عیش و آرام اور ناموس و نام ترک کر کے سید صاحب کے یہاں کی محنت و مشقت اور تنگی و کلفت اختیار کی۔ اینٹیں بھی بناتا ہوں۔ دیوار بھی اٹھاتا ہوں۔ گھاس بھی چھیلتا ہوں۔ لکڑی بھی چیرتا ہوں اور ہر طرح کے کام کرتا ہوں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس مشقت کے کاروبار کی بدولت جو نعمت دی اور خیر و برکت عطا کی' اس کے دسویں حصے کے برابر ان اوّل معاملات کی تمام خیر و برکت کو نہیں پاتا ہوں''۔

حاجی عبدالرحیم ولایتی نے اپنی مسند بیعت و ارشاد چھوڑ چھاڑ حضرت سید صاحب کی مستقل معیت اختیار کر لی تھی' حتیٰ کہ سید صاحب کے ہمراہ مایار (صوبہ سرحد) کی جنگ میں شہید ہو کر سرفرازی حاصل کی۔ شاہ اسماعیل نے تورو سے باہر ایک اجتماعی قبر کھدوائی اور تمام لاشوں کو (جن کو سکھوں کے ایما پر درانیوں نے لشکر کشی کر کے شہید کیا تھا) وہاں دفن کر دیا جن میں حاجی صاحب کی نعش مبارک بھی شامل تھی۔

یہ ایک عجیب حسن اتفاق ہے کہ جس مبارک تبلیغی سفر میں سہارن پور میں حاجی عبدالرحیم ولایتی نے سید احمد صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی تھی' اسی سفر میں شاہ عبدالرحیم نے اپنے مرید مخلص حضرت میانجیو نور محمد کو بھی لوہاری سے سہارن پور بلوا لیا تھا اور اپنے سامنے سید احمد شہید کے دست حق پرست پر بیعت کرایا۔ اسی سفر میں حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کم سنی کے عالم میں حضرت سید احمد شہید کی گود میں دیئے گئے اور سید صاحب نے بیعت تبرک میں قبول فرمایا۔ چنانچہ کتاب ہذا میں ان تینوں بزرگوں کے حالات بھی مرقوم ہیں۔ ضمیمہ جات میں مومن خان مومن کی مدحت بہ شان سید احمد' رسالۂ اشغال خطی نسخہ' خطبات شاہ اسماعیل' مکاتیب سید احمد شہید' اقتباس منظورۃ السعداء' مایار کی جنگ' کتبہ شہدائے مایار' شجرات ضیاء القلوب بھی شامل ہیں۔ بہتر ہوتا کہ مولف جناب سید نفیس الحسینی اپنے کسی مرید کو حکم دیتے کہ وہ ''فہرست مضامین'' پوری تفصیل سے بنا دیتا اور مشمولات کا تمہیدی و تعارفی شذرہ لکھ دیتا۔ ناشر کا پتہ یہ ہے ''سید احمد شہید اکیڈمی' کریم پارک' لاہور''۔

(تبصرہ نگار: سید قاسم محمود)

بقیہ: دعوت و تحریک

اس میں حالت احرام کی پابندیاں روزے کے ساتھ مشابہت رکھتی ہیں۔ پیسے کا خرچ زکوٰۃ سے مشابہ ہے اور دوڑ دھوپ اور مشقت اللہ کی رضا کے لئے ہے۔ یوں کلمہ شہادت دین کی بنیاد اور چار دوسرے ارکان ستونوں کے مانند ہیں جن پر اسلام کی مضبوط و مستحکم عمارت کھڑی کی جا سکتی ہے۔ (جاری ہے)

ہماری دینی ذمہ داریاں

مرتب: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

٭ہم مسلمان ہیں۔ ہمارا دین اسلام ہے۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ یہ معلوم کریں کہ جب ہم مسلمان ہیں اور ہمارا دین اسلام ہے تو ہمارا طرزِ عمل کیا ہونا چاہئے۔ اسلام کی طرف سے ہم پر کون سی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ جب یہ معلوم ہو جائے گا تو اپنے ان فرائض کی ادائیگی کا اہتمام بھی کیا جائے گا۔ لیکن جب فرائض ہی معلوم نہ ہوں اور آدمی اپنے اسلام پر ہی خوش ہو تو فرائض کی انجام دہی کی کوئی فکر نہ ہوگی۔ اسلام کو قبول کر لینا کوئی آسان کام نہیں کیونکہ اُس کی طرف سے عائد کردہ فرائض کی پابندی انسان پر لازم ہو جاتی ہے۔ تو آیئے دیکھتے ہیں کہ ہماری دینی ذمہ داریاں کیا ہیں۔

پہلا دینی فرض۔ دین پر قائم رہنا

ہماری پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ ہم شعوری طور پر مسلمان ہوں اور خوش دلی کے ساتھ اسلامی تعلیمات کو قبول کریں۔ ہر حکم کو یکساں اہمیت دیں۔ یعنی اسلام میں پورے کے پورے داخل ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے ﴿یا ایھا الذین امنوا ادخلو فی المسلم کافۃ﴾ (البقرہ:208)

''اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ''۔

یہ نہیں جس حکم کو چاہا قبول کر لیا اور جس کو چاہا چھوڑ دیا۔

ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اطاعت دلی آمادگی کے ساتھ حکم ماننے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿واطیعوا اللہ و اطیعو الرسول......﴾ (التغابن:12)

''اطاعت کرو اللہ اور اطاعت کرو رسول کی اور اگر تم نے روگردانی کی تو جان لو کہ ہمارے رسول پر تو صرف (پیغام حق) پہنچانے کی ذمہ داری ہے۔''

پس دین اسلام کے تمام احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے ہماری اطاعت ہمہ تن اور ہمہ جہت ہونی چاہئے۔

جہاں اسلام کے احکام پر عمل کرنا ہماری ذمہ داری ہے وہاں اُن چیزوں سے رکنا بھی ضروری ہے جن سے اسلام نے روکا ہے اسی طرزِ عمل کو اصطلاحاً تقویٰ کہا جاتا ہے۔ تقویٰ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی سے بچا جائے۔ اس کی ناراضگی سے خوف کھایا جائے اور اس کی سزا سے بچنے کا انداز اپنایا جائے۔ تقویٰ کے لئے اردو لفظ پرہیزگاری ہے یعنی ہر قسم کی برائی سے بچنا اور حرام کے قریب بھی نہ جانا قرآن مجید میں تقویٰ اختیار کرنے کی جابجا تلقین موجود ہے۔ آل عمران میں ہے۔

''اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقہ بازی نہ کرو اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو اس نے تم پر کی جب تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی تو تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے کہ اللہ نے تمہیں اس سے بچا لیا اللہ تعالیٰ اسی انداز سے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تا کہ تم ہدایت پاسکو''۔ (آل عمران:103)

انسانوں اور جنوں کی پیدائش کا مقصد عبادت رب بتایا گیا ہے۔

''اور میں نے جن و انس کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں''۔

عبادت بندگی کو کہتے ہیں۔ مگر اصطلاحی طور پر اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کی محبت سے سرشار ہو کر اپنے آپ کو ہمہ تن اور ہمہ وقت اس کی غلامی میں دے دیا جائے۔ پس عبادت اللہ کی محبت کے ساتھ اس کی اطاعت کا نام ہے۔ دیکھئے قرآن مجید میں ہے:

﴿والذین امنوا اشد حب للہ﴾

''اور جو ایمان لائے وہ اللہ کے ساتھ سب سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔''

پس عبادت ایک جامع لفظ ہے یہ ایسے رویے کا نام ہے جس میں خدا کے فرامین انتہائی ذوق و شوق' خوش دلی اور آمادگی کے ساتھ قبول کئے جائیں اور ان پر عمل کیا جائے۔ اسی لئے جزوی اطاعت قابل قبول نہیں ہے۔ دیکھئے قرآن مجید میں ہے:

''اے ایمان والو! تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ''۔

''کیا تم (ہماری) کتاب کے ایک حصے کو مانتے ہو اور ایک کا انکار کرتے ہو؟ پس تم میں سے جو کوئی بھی یہ حرکت کرے گا اس کی سزا اس کے سوا کچھ نہیں کہ دنیا میں اسے ذلیل و خوار کر دیا جائے اور قیامت کے دن اسے شدید ترین عذاب میں جھونک دیا جائے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے''۔ (سورۃ البقرہ:85)

اس سے معلوم ہوا کہ کچھ باتوں کا ماننا اور کچھ کا نہ ماننا منافقانہ رویہ ہے اور دورخاپن ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا غضب بڑھتا ہے۔ قرآن مجید میں سورۃ النساء کی آیت نمبر 145 میں ہے:

''منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں رہیں گے اور وہ اپنے لئے کوئی مددگار نہیں پائیں گے''۔

جو لوگ قرآن مجید پڑھتے رہتے ہیں یہ بات ان پر واضح ہو گی کہ خدا کا غضب کافروں کی نسبت منافقین پر زیادہ بھڑکتا ہے۔

سورۃ الصف کی آیت نمبر 2 اور 3 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اے اہل ایمان! وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ یہ بات اللہ کے نزدیک سخت بیزاری پیدا کرنے والی ہے کہ تم جو کہو اس کو کرتے نہیں!''

پس عبادت انسان کا وہ رویہ ہے جس میں شدید محبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پوری زندگی میں اختیار کی جائے۔ البتہ پوری زندگی میں عبادت کے رویے کا مظہر ارکان اسلام ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں' نماز قائم کرنا' زکوٰۃ ادا کرنا' بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا''۔

ارکان اسلام پر عمل پیرا ہو کر انسان آسانی سے عبادت رب اور اطاعت خدا و رسول پر کاربند ہو سکتا ہے۔ ارکان اسلام میں اول یہ گواہی دینا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ ان دونوں شہادتوں کی ادائیگی سے بندہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے گویا ان الفاظ کو بنیاد کی حیثیت حاصل ہے اور باقی چار ارکان عملی ستون ہیں۔ نماز ایک دن میں پانچ دفعہ جماعت کے ساتھ پڑھنے کا حکم ہے۔ نماز دراصل دنیاوی مصروفیات سے الگ ہو کر اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے تا کہ اللہ پر ایمان تازہ ہو جائے اور ایاک نعبد و ایاک نستعین کے قول و اقرار کی تجدید ہو جائے۔ نیز بندہ دنیا کے لذیز مگر ناپائیدار مشاغل میں گم ہو کر اپنے رب کو نہ بھول جائے۔ پھر زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہے جو آدمی کے دل میں مال کی محبت جاگزیں نہیں ہونے دیتا۔ مال کی محبت بڑی تباہ کن شے اور سو امراض کی ایک مرض ہے جس میں مبتلا ہو کر انسان جھوٹ' دغا' فریب' بدعہدی اور لالچ جیسے رذائل اخلاق کا خوگر ہو کر اپنی دنیا اور عاقبت برباد کر لیتا ہے۔ ایک رکن اسلام روزہ ہے جو پرہیزگاری کی تربیت کا ذریعہ ہے کیونکہ روزہ کی حالت میں انسان پر چند ایک وہ پابندیاں بھی لگ جاتی ہیں جو عام حالات میں نہیں ہوتیں۔ جب انسان اضافی پابندیاں قبول کرتا ہے تو ضروری پابندیوں کو توڑنے سے بھی باز رہتا ہے۔ اسی طرح حج رکنِ اسلام ہے۔ جس میں عبادت کی تمام برکات رکھ دی گئی ہیں۔

(باقی صفحہ 14 پر)

ڈاکٹر مہاتیر محمد کی اسلام دوستی

اس ہفتے کے دوران میں مسلم ممالک میں اُن کے اپنے اپنے مفادات وتحفظات کے نقطۂ نظر سے جو واقعات اور سرگرمیاں رونما ہوئی ہیں' ان کی ایک ہلکی سی جھلک ذیل کی خبروں میں دکھائی جارہی ہے۔ پوری دنیائے اسلام کے لئے' تمام عالم اسلام کے لئے واحد آواز جو ان چھ سات دنوں میں سنائی دی گئی وہ ملائیشیا کے رہنما ڈاکٹر مہاتیر محمد کی تھی۔ انہوں نے ملائیشیا کے دورے پر آئے ہوئے ترکی کے وزیراعظم طیب اردگان کے اعزاز میں دی گئی ضیافت (16 جون) سے خطاب کرتے ہوئے کہا ''دنیائے اسلام کو متحد ومنظم ہوکر آگے بڑھنا ہوگا' تاکہ مسلمانانِ عالم کے خلاف مہیب سازشوں اور چیلنجوں کا مقابلہ کرسکے۔ ایسا تبھی ممکن ہوگا جب ایک ارب مسلم آبادی کے مالی اثاثوں اور تیل کی قدرتی دولت سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا جاسکے۔ مسلمانوں کو اس بحران سے سبق سیکھنا چاہئے جو مسلم ممالک میں اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے عراقی عوام پر انتہائی ظالمانہ اور سفاکانہ انداز میں نازل کیا گیا''۔ پھر 20 جون کو ''ملائیشیا نیشنل آرگنائزیشن'' کی سالانہ تقریب سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے عراق پر امریکی حملے اور یورپی ممالک کے مسلمانوں کے بارے میں منافقانہ رویے پر' شدید نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ امریکا اور برطانہ نے 11 ستمبر کا ٹریڈ سنٹر کا واقعہ خود ہی پیدا کرکے مسلمانوں کے خلاف کارروائی کرنے کا پرانا حربہ اختیار کیا۔ یہ بات اب پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اس واقعے کا اصل ذمہ دار اسرائیل اور یہودی ہیں' لیکن امریکی حکومت نے دیدہ دانستہ اس حقیقت کو پوشیدہ رکھ کر مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دے کر ان کے ممالک پر حملے شروع کردیئے ہیں۔

پاک بھارت تعلقات

24 جون کو امریکا کے صدر اور پاکستان کے صدر کے درمیان جو مذاکرات ہونے والے ہیں' ان میں ''پاک بھارت تعلقات'' کا موضوع اس ہفتے کے دوران میں خبروں' شذروں' اداریوں اور کالموں کی زینت بنا رہا۔ اس سلسلے میں سب سے دلچسپ بیان بھارت کے نائب وزیراعظم لال ...دانی کا تھا۔ انہوں نے لندن میں بی بی سی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا: ''پاکستان کے مختار کل جنرل مشرف ہیں۔ جو بات ہوگی' وزیراعظم جمالی سے نہیں ہوگی' جنرل مشرف سے ہوگی۔ ان کا ڈکٹیٹر ہونا پاکستان کا داخلی مسئلہ ہے۔ مسئلہ کشمیر کے حل میں کشمیریوں کو شامل کرنے کی ضرورت نہیں۔ بات صرف بھارت اور پاکستان میں ہو گی۔ اور بات ہوگی تو اس وقت ہوگی جب پاکستان کی جانب سے دراندازی رکے گی۔ موجودہ حالات میں کشمیر پر کسی سمجھوتے کی گنجائش نہیں۔ کشمیریوں کی حق خودارادیت کی بنیاد پر مذاکرات کا نتیجہ دونوں ممالک کے لئے اچھا نہیں ہوگا''۔

ایڈوانی صاحب کے بیان کو بڑھاوا اگلے روز ان کے باس وزیراعظم واجپائی نے صوبہ مدھیہ پردیش میں ایک جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے دیا۔ انہوں نے کہا ''جنرل مشرف نے ہمیں کارگل یاد دلایا ہے' لیکن انہیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ ہم نے پاکستان کو تین بار شکست دی ہے اب وہ چوتھی شکست کی تیاری کررہا ہے۔ پاکستان نے روایتی جنگ کا طریقہ تبدیل کردیا ہے' لہٰذا اب بے گناہ خواتین' مرد اور بچوں کو ہلاک کیا جارہا ہے۔ آخر یہ کس قسم کی جدوجہد آزادی ہے۔ میں پاکستان کو بتاچکا ہوں کہ اسے یاد رکھنا چاہئے کہ کارگل جنگ میں پاکستان ہی نے امریکی صدر کلنٹن سے بھارت کو روکنے کی التجا کی تھی''۔

بابری مسجد: تازہ انکشافات

ایڈوانی اور واجپائی کے پیچھے اُن کے اپنے ملک کے لوگ پڑے ہوئے ہیں۔ صوبہ اُترپردیش (یوپی) کے سابق وزیراعلیٰ کلیان سنگھ نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ بابری مسجد ایڈوانی اور واجپائی کی ہدایت پر شہید کی گئی اور وزیراعلیٰ ہونے کے باوجود مجھ سے ہر بات چھپائی گئی اور مجھے دھوکا دیا گیا''۔ کلیان سنگھ کے اس بیان سے چند روز قبل بھارت کے محکمہ آثار قدیمہ کی رپورٹ میں اس امر کا اعتراف کیا گیا کہ بابری مسجد کی حالیہ کھدائی کے دوران یہاں کسی مندر کے کوئی آثار نہیں ملے۔ اس طرح انتہا پسند ہندوؤں' ایڈوانی اور واجپائی کا یہ موقف غلط ثابت ہوا ہے کہ مسجد کسی مندر کو منہدم کرنے کے بعد تعمیر کی گئی تھی۔

ایران کے خلاف امریکی سازشیں

عام خیال تھا کہ عراق کے بعد شام کی باری آئے گی' لیکن شام سے شاید کوئی مفاہمت کی راہ نکل آئی ہے' اس لئے اب اگلا ہدف ایران ہے' جس پر پیش قدمی کے وہی انداز اختیار کئے جانے لگے ہیں' جو عراق کے خلاف' ابتدا میں رفتہ رفتہ اور آخر میں پوری قوت وضرب کے ساتھ اختیار کئے گئے تھے۔ چنانچہ بین الاقوامی جوہری توانائی کی ایجنسی کے سربراہ ڈاکٹر محمد البرادی نے' جس طرح عراق سے مطالبہ کیا تھا' تقریباً انہی لفظوں میں ایران سے مطالبہ کیا ہے (17 جون) کہ ایران اپنی ایٹمی تنصیبات کے وسیع تر معائنوں کی اجازت دے۔ اس سے چند روز پہلے امریکا کی جانب سے ایران پر خفیہ طور پر ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری کے الزامات عائد کئے گئے' جن کی بنیاد پر ڈاکٹر محمد البرادی نے ایران سے اپنے مطالبے میں یہ بھی کہا ہے کہ اسے اپنی اُن ایٹمی تنصیبات کا معائنہ کرانے کی اجازت بھی دینا ہوگی جن کو ایرانی حکومت نے ابھی تک ظاہر نہیں کیا ہے۔ ایران نے اس مطالبے کو رد کرتے ہوئے اعلان کیا کہ ایٹمی تنصیبات کی معائنہ کاری سے متعلق کسی اضافی پروٹوکول کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

موجودہ ایرانی حکومت کے خلاف جو عوامی مظاہرے گزشتہ ہفتے تہران میں ہوئے تھے' وہ ہفتۂ رواں کے دوران میں دوسرے صوبائی دارالحکومتوں مثلاً مشہد' اصفہان' اہواز' شیراز وغیرہ میں پھیل گئے۔ امریکا نے ایران میں اپنی پسند کی حکومت لانے کے لئے ان احتجاجی مظاہروں کی طرف داری میں بیانات جاری کئے۔ ایران کے سپریم کمانڈر آیت اللہ خامنائی نے امریکی بیانات پر شدید ردعمل ظاہر کرتے ہوئے کہا: ''امریکا تباہی کے دہانے پر کھڑا' برف کا پگھلتا ہوا پہاڑ ہے۔ اسے افغانستان' عراق' پاکستان اور فلسطین میں گمبھیر مسائل کا سامنا ہے۔ وہ صیہونی حکومت اسرائیل کا محافظ بنا ہوا ہے۔ پہلے وہ ان مسائل سے نمٹے''۔

بقیہ : مکتوب شکاگو

لہٰذا یہ کام ''ایکسپرٹ'' بنے بغیر ہی شروع کیا جائے۔ ایسے لوگ جن کے گھروں میں یہ واہیات مواد آتا ہے اور وہ اس کو باوجود کوشش کے کنٹرول نہ کرپا رہے ہوں وہ اپنے پرسنل تجربات اس سلسلے میں لکھ بھیجیں' پرسنل تجربات ایسے کاموں میں اتنی ہی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں جتنی اکیڈمک ڈگری! اپنی تحریر میں یہ ضرور واضح کریں کہ آپ اس کے نقصانات سے پوری واقفیت رکھتے ہیں اور اس کی روک تھام کے لئے مخلص ہیں۔ حقیقت بیانی سے کام لیں۔ اس بات پر اداس نہ ہوں کہ آپ کا محنت سے لکھا گیا خط شائع نہ ہوسکا کیونکہ آپ یہ کام غیر اخلاقی مواد کی اشاعت روکنے کے لئے کررہے ہیں نہ کہ خود نمائی کے لئے۔ آپ اس خط کی کاپی اپنے ضلعی ناظم' تعلیم وثقافت کے وزراء' اہم دینی و سماجی شخصیات اور دینی مدارس اور گرلز کالجز کو بھی روانہ کریں۔ اگر میں' آپ' ہم سب یہ کرتے ہیں تو ان شاءاللہ قدرت ہمیں ہماری اس محنت پر اچھے صلے سے نوازے گی۔ آمین!

تنظیم اسلامی کی دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

ضلع پونچھ راولاکوٹ میں ناظم حلقہ پنجاب شمالی کی دعوتی سرگرمیاں

راولاکوٹ ضلع پونچھ کا ضلعی ہیڈ کوارٹر ہے۔ اس شہر کے مشرق کی جانب چھ کلومیٹر کے فاصلے پر خوبصورت قصبہ چک دھمنی ہے۔ یہ صحت افزا مقام ہے۔ شہر ایئر پورٹ ہونے کی وجہ سے شہرت دوام رکھتا ہے۔ سردار اسحاق کا تعلق بھی اسی شہر سے ہے۔ جو تنظیم اسلامی کے سینئر رفقاء میں شامل ہیں۔ اگرچہ اُن کا تنظیم سے تعلق ابوظہبی میں ہوا تھا لیکن اب وہ وہاں سے فارغ ہو کر گھر شفٹ ہو گئے ہیں۔ اسرہ راولاکوٹ میں اس وقت چھ رفقاء ہیں جن کی شبانہ روز محنت سے دفتر کا قیام ممکن ہوا۔ نیز چک بازار میں تنظیم کا تعارف بھی بڑھا۔

چنانچہ دفتر کی افتتاحی تقریب کے لئے 29 مئی کو ہی خالد محمود عباسی سے وقت لے لیا گیا تھا۔ خالد نعمت کی قیادت میں رفقاء نے پروگرام کی تشہیر کے لئے دو ہزار بینرز اور خطوط تقسیم کئے۔

11 جون کو دفتر کی افتتاحی تقریب کا آغاز تلاوتِ قرآن مجید سے ہوا۔ اس کے بعد خالد محمود عباسی نے ''عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کے عملی پہلو اور عصری تقاضے'' کے موضوع پر مفصل خطاب فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ سے عشق کے دعویدار تو ہم ہیں لیکن کیا ہمارا تعلق حضور ﷺ سے ویسا ہے جیسا کہ صحابہ کرامؓ کا تھا۔

جنہوں نے جان و مال کی قربانی دے کر دین اللہ کو قائم و غالب کیا۔ غلبۂ دین کے نتیجے میں ایک مثالی اسلامی ریاست قائم کر کے دنیا کو دکھا دی۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے تو اپنے غیروں نے بھی حضور ﷺ کی سیرت کا اعتراف کیا ہے۔

جن میں مائیکل ہارٹ' ایچ جی ویلز کے نام شامل ہیں۔ پھر شاہ بانو کیس کے حوالے سے راجیو گاندھی نے اسلام کے عائلی قوانین کا مطالعہ کیا اور یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ جو حقوق اسلام نے عورتوں کو دیئے ہیں وہ کسی اور مذہب نے نہیں دیئے ہیں۔

آپ نے فرمایا قیامت سے قبل روئے زمین پر اللہ کا دین غالب ہوگا۔ یہ غلبہ بھی اسی نہج پر ہوگا جس طریق پر محمد ﷺ نے قائم کیا تھا۔

آخر میں تنظیم اسلامی کا تعارف کرایا اور دیگر جماعتوں میں تنظیم اسلامی کے طریق کار اور منہاج نبویؐ سے تعلق کو واضح کیا گیا۔ سامعین کی تعداد 60`70 کے لگ بھگ تھی۔ صدارتی خطاب جناب تحصیل مفتی عبدالخالق صاحب نے دیا جو خطیب جامع مسجد راولاکوٹ بھی ہیں' جنہوں نے خالد محمود عباسی کے خطاب کی تعریف کی اور ایمان و اسلام کے فرق کو واضح کرتے ہوئے ذہنی و قلبی ارتداد کو بھی نمایاں کیا۔ آخر میں شرکاء اجتماع کی چائے اور مٹھائی سے تواضع کی گئی۔

دوسرا پروگرام سردار اسحاق صاحب کی محلے کی مسجد میں ہوا جس میں مقامی حضرات نے شرکت کی۔ خالد محمود عباسی صاحب نے امت مسلمہ کے سہ نکاتی لائحہ عمل پر خطاب فرمایا۔ آخر میں سامعین کے سوالات کے جوابات بھی دیئے۔ دوسرے دن 12 جون کو زرعی یونیورسٹی راولاکوٹ ''آزاد کشمیر'' میں خطاب ''موجودہ حالات کے تناظر میں امت مسلمہ کے کرنے کا اصل کام'' کے موضوع پر ہوا۔

جس میں طلبہ' طالبات کے ساتھ اساتذہ نے بھی شرکت کی۔

یہاں پر خالد محمود عباسی نے امت کے زوال' خیر و شر کی کشمکش کے ساتھ ساتھ مستقبل کے حالات پر بڑے دل نشین انداز میں سیر حاصل خطاب کیا۔ سوالات کے جوابات بھی تسلی بخش دیئے گئے۔ اس طرح ظہر سے قبل جملہ پروگرام اختتام پذیر ہو گئے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد ناظم حلقہ اور رفقاء نئے عزم کے ساتھ اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس پروگرام کے انعقاد کے سلسلہ میں چک سے اشراف صاحب' معروف صاحب کے علاوہ باغ سے خالد صاحب نے محنت کی۔ جن کا شکریہ ادا نہ کرنا زیادتی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی محنت کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین۔ (مرتب: شبیر احمد اعوان)

قرآن اکیڈمی ڈیفنس' کراچی میں تفہیم دین کورس

تنظیم اسلامی کراچی جنوبی کے زیر اہتمام 14 تا 18 مئی 2003ء قرآن اکیڈمی ڈیفنس' کراچی میں ''تفہیم دین کورس'' کا انعقاد کیا گیا۔ اس کورس کا اصل مقصد دین کے انقلابی فکر اور دینی فرائض سے عوام الناس کو روشناس کرانا تھا۔ اس کورس کی تشہیر' بینرز' ہینڈ بلز' دعوت ناموں' ای میل اور ذاتی رابطوں کے ذریعے سے کی گئی۔ کورس کا آغاز 14 مئی کو بعد نمازِ مغرب ہوا۔ جناب شجاع الدین شیخ صاحب' اسسٹنٹ اکیڈمک ڈائریکٹر قرآن اکیڈمی ڈیفنس کراچی' نے سورۃ العصر کی روشنی میں ''راہِ نجات'' کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اگر ہم ایمان حقیقی' عمل صالح' تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کی ذمہ داریاں ادا کریں گے تو ہی روزِ قیامت ابدی خسارے سے بچ سکیں گے۔ دوسرا لیکچر ''نبی کریم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں'' کے موضوع پر تھا۔ امیر تنظیم اسلامی کورنگی جناب عامر خان صاحب نے سورۃ الاعراف آیت 157 کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی چار بنیادوں ایمان' توقیر و تعظیم یعنی اتباع' نصرت اور اتباع قرآن کو موثر انداز میں بیان کیا۔ تیسرے دن ''فرائض دینی کا جامع تصور'' کے موضوع پر امیر تنظیم اسلامی شاہ فیصل ٹاؤن جناب اعجاز لطیف صاحب نے ایک مسلمان پر عائد ہونے والے دینی فرائض یعنی پوری زندگی میں اللہ کی عبادت' شہادت علی الناس اور اقامت دین کی جدوجہد کو واضح کیا۔ چوتھے روز جناب اختر ندیم صاحب' پروفیسر این ای ڈی یونیورسٹی نے ''غلبہ دین کا نبویؐ طریقہ کار'' کے موضوع پر لیکچر دیتے ہوئے سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں اسلامی انقلاب کے مراحل اور دورِ حاضر میں انقلاب کے طریقۂ کار کو واضح کیا۔ آخری لیکچر ''اجتماعیت اور بیعت کی اہمیت'' کے موضوع پر تھا۔ جس میں انجینئر نوید احمد صاحب' ناظم حلقہ سندھ زیریں' نے قرآن و سنت کی روشنی میں اجتماعیت کی اہمیت اور اس کے لئے بیعت کی اساس کو واضح کیا۔ انہوں نے کہا کہ اجتماعیت کے قیام کے لئے بیعت کی اساس منصوص' مسنون' ماثور اور معقول ہے۔ اس حوالے سے انہوں نے قرآن و سنت' احادیثِ مبارکہ' اسلاف کی روایات اور عقلی دلائل دیئے۔ ہر لیکچر کے آخر میں خواتین و حضرات کو ایک سوالنامہ (Questionnaire) دیا گیا جس میں موضوع کے اہم نکات کو سوالات کی صورت میں مرتب کیا گیا تھا۔ شرکاء کو صحیح یا غلط جواب پر نشان لگانا تھا۔ شرکاء نے ذوق و شوق سے سوالنامے پُر کئے جنہیں مقررین نے discuss بھی کیا۔ ان تمام لیکچرز کے نوٹس کو ملٹی میڈیا پروجیکٹر کے ذریعے پیش کیا گیا۔ تفہیم دین کورس میں دیئے گئے لیکچرز ہماری ویب سائٹ www.quranacademy.com پر بھی سنے جاسکتے ہیں۔ الحمدللہ پورے کورس کے دوران شرکاء کی تعداد اوسطاً سو حضرات اور چالیس خواتین پر مشتمل رہی۔ آخر میں ناظم تفہیم دین کورس جناب شجاع الدین شیخ صاحب نے تمام شرکاء کا شکریہ ادا کیا۔ انہوں نے تفہیم دین کورس کے تمام لیکچرز میں شریک ہونے والے حضرات و خواتین کو تنظیم اسلامی کی طرف سے سرٹیفیکیٹ دینے کا بھی اعلان کیا۔ انجینئر نوید احمد صاحب کی دعا پر اس کورس کا اختتام ہوا۔ (مرتبہ: عثمان کاظمی/محمد زبیر اقبال)

تنظیم اسلامی باجوڑ کا ایک روزہ تفہیم دین کورس

ایک طرف تنظیم اسلامی کے مٹھی بھر رفقاء دین کے جامع تصور' اقامتِ دین کی اہمیت و لزوم اور منہج انقلاب نبوی کو عام کرنے میں دیوانہ وار مصروف ہیں۔ اس تگ و دو میں تنظیم اسلامی باجوڑ کے رفقاء بھی کافی متحرک نظر آتے ہیں۔ اس سلسلے میں یکم جون کو جامع مسجد گردئی میں ایک روزہ تفہیم دین کورس کا انعقاد کیا گیا۔ پروگرام کا آغاز شیر محمد حنیف کی ایمان افروز درس قرآن سے ہوا۔ آپ نے کہا کہ ہر نبی کا مقصد بعثت اللہ کے دین کو قائم کرنا تھا۔ درسِ قرآن کے بعد سید کریم صاحب نے تلاوتِ کلام ربانی سے سامعین کے دلوں کو گرمایا۔ تنظیم اسلامی باجوڑ کے امیر گل رحمٰن صاحب نے ''اسلام ایک مکمل نظام حیات'' پر سامعین سے خطاب کیا۔ آپ نے کہا کہ اس وقت پوری کرہ ارض پر جو دین قائم ہے وہ دین اللہ نہیں بلکہ سیکولرازم اور دین جمہور ہے۔ گویا سیکولرازم ریاست و مذہب میں تفریق پیدا کرتا ہے کہ مذہب کو معاشرے کی تشکیل میں کوئی دخل نہیں جبکہ اسلام ایک نظام حیات ہے۔ یہ اپنا غلبہ چاہتا ہے۔ گویا یہ اس وقت غالب رہے گا جب ہمارے انفرادی اور اجتماعی گوشے بالفعل قائم ہو جائیں۔ جناب فیض الرحمٰن صاحب نے اقامتِ دین کی اہمیت اور لزوم پر لب کشائی کی۔ آپ نے کہا کہ اس وقت کرہ ارض پر طاغوت کا قبضہ ہے نظام طاغوت نے لوگوں کو تباہی کے کنارے کھڑا کر دیا ہے جبکہ یہ ہمارے ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ کی ذات' صفات اور احکام پر ایمان لائیں۔ جس طرح

اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں یکتا ہے کوئی اس کا شریک نہیں‘ اس طرح حاکمیت بھی اس ذاتِ بے ہمتا کی صفت ہے۔ **لایشرک فی حکمه احدا ولم یکن له شریک فی الملک**

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

لیکن افسوس صد افسوس ہماری معیشت میں سود‘ معاشرت میں بے پردگی اور سیاست میں سیکولر جمہوریت ہے۔ اس وقت پورا عالم اسلام طاغوت کے پنجۂ آہن میں جکڑا ہوا ہے۔ اللہ کا حکم ہے ان اقیموا الدین مزید آپ نے کہا کہ ایک ’’ماننا‘‘ ہے جبکہ ایک ’’قبول‘‘ کرنا ہے ہم نے اللہ کو مانا ہے لیکن سیکولر ازم قبول کیا ہے۔ اللہ کو خالص بندگی چاہئے جبکہ اقامتِ دین کے بغیر خالص بندگی نہیں ہو سکتی ہے لہٰذا بندگی کو خالص کرنے کے لئے اقامتِ دین کے لئے کوشش ہر مسلمان پر فرض عین ہے۔

پروگرام کا آخری مقرر حلقہ سرحد شمالی کے شیریں گفتار ناظم دعوت غلام اللہ خان حقانی تھے۔ آپ نے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک منہج انقلاب نبویؐ پر نہایت علمی‘ مدلل اور برجستہ انداز میں بحث کی۔ آپ نے فرمایا جس طرح ساتھیوں نے یہ بات واضح کر دی کہ اس وقت بالفعل پوری دنیا پر ایک ہی تہذیب یعنی نیو ورلڈ آرڈر کا دور دورہ ہے۔ ہر طرف نیو ورلڈ آرڈر کا طوطی بولتا ہے۔

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

یہ نیو ورلڈ آرڈر چند ستونوں پر قائم ہے جس کو سیکولر ازم‘ لبرل ازم وغیرہ کہتے ہیں۔ یہ سب شیطانی نظام کے ستون ہیں۔ ان کو گرانا انقلاب کہلاتا ہے۔ انقلاب لانے کے لئے سب سے پہلے انقلاب نظریہ دیا جاتا ہے۔ یہ نظریہ موجودہ قائم نظام کے اجتماعی گوشوں پر تیشہ کی طرح لگے۔ پھر جو لوگ اس انقلابی نظریئے کو ذہناً قبول کرے ان کو منظم کیا جائے۔ قرآن سے ان کی تربیت اور تزکیہ کیا جائے۔

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو

جب یہ تعداد مسنون حد تک پہنچتی ہے تو انقلابی اقدام کرتے ہیں۔ گویا تربیت میں ان کو محض صبر کے خوگر بنائے جاتے ہیں۔ لہٰذا اقدام کے وقت پھر یہ تن من دھن قربان کرتے ہیں۔ آخر میں مسلح تصادم کا مرحلہ آتا ہے۔ لیکن موجودہ دور میں یہ تصادم بالکل یکطرفہ ہوگا۔ پروگرام کے آخر میں سوال و جواب کی نشست ہوئی۔ پروگرام کا اختتام دعا پر کیا گیا۔ (حضرت نبی محسن‘ معتمد تنظیم اسلامی باجوڑ)

مرکزی ناظم دعوت تنظیم اسلامی کا مسجد نور الہدیٰ فیروز والا میں خطاب جمعہ

یکم ربیع الاول 6 جون 2003ء کو امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید نے فیروز والا میں جامع مسجد نور الہدیٰ کا ایک باوقار تقریب میں افتتاح فرمایا۔ اس تقریب کی روداد ندائے خلافت کے صفحات میں شائع ہو چکی ہے۔ احباب کے تقاضے اور شدید اصرار کو مدنظر رکھتے ہوئے رفقاء رفیروز والا نے باہمی مشاورت سے طے کیا کہ مسجد نور الہدیٰ میں نماز پنجگانہ کے ساتھ ساتھ خطاب و نماز جمعہ کا اہتمام بھی کیا جانا چاہئے تاکہ مسجد کے پلیٹ فارم سے پوری طرح فائدہ اٹھایا جا سکے۔ امیر حلقہ لاہور جناب مرزا ایوب بیگ کی اجازت سے مرکزی ناظم دعوت جناب رحمت اللہ بٹر صاحب سے گزارش کی گئی کہ وہ نماز جمعہ کے جملہ تقاضے پورے فرما کر مسجد ہذا میں خطاب و نماز جمعۃ المبارک کا باقاعدہ آغاز فرمائیں تاکہ ؏ ’’ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا‘‘ کی صورت کم از کم فیروز والا کی حد تک پوری ہو جائے۔

پروگرام کی جملہ تفصیلات طے ہو گئیں تو احباب تک یہ خوش کن اطلاع پہنچانے کے لئے خصوصی دعوت نامے پہنچائے گئے۔ یوں طویل وقفہ کے بعد فیروز والا میں رفقاء کے لئے انفرادی رابطے کا موقع پیدا ہو گیا۔

محترم بٹر صاحب اپنی روایت کے مطابق مقررہ وقت سے کچھ پہلے ہی راقم کے گھر تشریف لے آئے۔ موسم کی مناسبت سے مہمانوں کی ’’نزل‘‘ کے درجے کی شربت سے تواضع کی گئی اور پھر بٹر صاحب راقم کے ہمراہ مسجد نور الہدیٰ پہنچ گئے۔

محترم بٹر صاحب سے فیروز والا کے رفقاء و احباب کا خصوصی تعلق ہے چنانچہ فیروز والا کے احباب بٹر صاحب کی دلآویز اور سادہ شخصیت سے بہت زیادہ متاثر ہیں۔

بٹر صاحب کے خطاب جمعہ کے موضوع ’’عظمت مصطفی ﷺ کے آداب اور تقاضے‘‘ تھا۔ خطاب کا آغاز حسب روایت حمد و ثنائے باری تعالیٰ سے ہوا۔ بٹر صاحب نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و شعور کی جملہ اور اعلیٰ ترین صلاحیتوں سے نوازا تاکہ وہ اس استعداد کو بروئے کار لا کر معرفت الٰہی حاصل کر سکے۔ خدائے رحمٰن و رحیم نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے رشد و ہدایت کا عظیم الشان اور بابرکت سلسلہ جاری فرمایا۔ چنانچہ انبیاء و رسل کی جماعت کا ہر فرد کوئی نہ کوئی امتیازی شان رکھتا ہے جبکہ نبی اکرم کو تمام انبیاء اور مرسلین پر کامل اور کلی فضیلت عطا فرما کر آپؐ کے اسوہ کاملہ کی پیروی کو نجات و فلاح کا ضامن قرار دے دیا گیا چنانچہ حضورؐ کی ذات اقدس ہر شخص کے لئے رہبر و رہنما کی حیثیت رکھتی ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کی عظمت کا اعتراف اپنوں کے ساتھ ساتھ بدترین دشمنوں اور مخالفین نے بھی کیا۔ اس لئے کہ آپ نے دنیا میں پہلی مرتبہ عدل اجتماعی کے سنہری اصولوں پر مبنی ایک ریاست کی داغ بیل ڈالی جس میں عدل و انصاف‘ مساوات و برابری‘ معاشی عدل اور حریت و آزادی کے اعلیٰ و ارفع معیار کو قائم کر کے اسلام کو بطور نظام زندگی پیش کر دیا۔

آپ نے انفرادی و اجتماعی ہر دو سطحوں میں ہونے والی خباثتوں‘ خرابیوں کا خاتمہ کر دیا۔ اگرچہ آج ہم حضور کے امتی ہونے کے بجا طور پر دعوے دار ہیں مگر امتی کا شرف حقیقی طور پر اس وقت حاصل ہوگا جب ہم ہر سطح پر اور ہر معاملے میں حضورؐ کے نقش پا کی پیروی کریں گے اس لئے کہ دین و دنیا کی جملہ سعادتیں ہر قسم کی رفعتیں اور بلندیاں اسوہ کاملہ پر عمل پیرا ہونے ہی سے ہاتھ آ سکتی ہیں۔

بٹر صاحب کے قرآن و حدیث کی محکم اساسات پر مبنی پرتاثیر و پرجوش خطاب نے سامعین کے قلب کو گرمانے اور روح کو تڑپانے کا کام کیا۔ مسجد کے افتتاحی جمعہ کے باوجود احباب کی کثیر تعداد (جس میں خواتین بھی شامل تھیں) بٹر صاحب کا خطاب سنا۔ نماز جمعہ کے اختتام پر چند رفقاء و احباب کے ہمراہ ’’تناول ماحضر‘‘ سے شاد کام ہوئے بعد ازاں بٹر صاحب نے واپس اپنی منزل کا رخ کیا۔ فیروز والا کے رفقاء کو مسجد نور الہدیٰ کے قیام سے جو دعوتی پلیٹ فارم مہیا ہوا ہے اس کے استعمال کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری اس حقیری کوشش کو شرف قبولیت عطا فرما کر اسلام کی جد و جہد میں ہمیں ’’تیز ترک گامزن منزل ما دور نیست‘‘ کے جذبے سے کام کرنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین (مرتب: نعیم اختر عدنان)

حلقہ سرحد شمالی کی ماہانہ شب بسری

اسلام کے عادلانہ نظام کو قائم کرنے کے لئے بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تیار کردہ ٹیم ہمہ وقت مصروف عمل ہے۔ اس سلسلے کی ایک کڑی کی صورت میں قلب خراسان یعنی مالاکنڈ ڈویژن تیمرگرہ جس کے بارے میں اقبال نے بھی کہا تھا ’’ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی‘‘ میں شب بسری کے پروگرام کا انعقاد ہوا۔ نماز عصر کے بعد شوکت اللہ شاکر ’’حقیقت انسان‘‘ کے موضوع پر سامعین سے مخاطب ہوئے۔ آپ نے کہا کہ انسان دو وجود کا مرکب ہے۔ ایک روح اور دوسرا مادی وجود ہم مادی وجود سے تو پوری طرح باخبر ہیں لیکن روحانی وجود کو بھلائے بیٹھے ہیں۔ بعد نماز مغرب فیض الرحمٰن صاحب نے حقیقتِ جہاد پر علمی انداز میں بحث کیا آپ نے واضح کر دیا کہ جہاد اور قتال قرآن کی دو مختلف اصطلاحیں ہیں۔ جن کو سمجھنا ضروری ہے۔

بعد نماز عشاء شیر محمد حنیف نے اپنے مخصوص انداز میں گلدستہ حدیث پیش کیا۔ جناب غلام اللہ خان صاحب نے ’’امت مسلمہ کو درپیش فتنوں کا سامنا‘‘ کے موضوع پر بیان کرتے ہوئے کہا کہ حیات حضور ﷺ کے وقت جھوٹے مدعیان نبوت پیدا ہو کر فتنوں کی ابتدا ہو گئی لیکن عظیم ترین فتنہ جس سے تمام انبیاء کرام نے اپنے اپنے امتوں کو خبردار کیا تھا اور حضور ﷺ نے بھی اپنے امت کو اس سے خبردار کیا وہ فتنہ دجال ہے۔ آج کل یہ فتنے سیاسی‘ معاشی‘ معاشرتی اور فلسفی لحاظ سے ہیں۔ ان فتنوں کے مختلف سائے (Shades) ہیں جن سے آگاہی بہت ضروری ہے۔

پروگرام کے آخر میں امیر حلقہ محمد فہیم صاحب نے ’’ملکیت زمین اور اقبال‘‘ پر نہایت برجستہ انداز میں 15 منٹ تک بیان کیا۔ نماز فجر کے بعد ممتاز بخت صاحب نے حفظ عظیم پر درس قرآن دیا۔ پروگرام کے آخر میں امیر حلقہ سے افہام و تفہیم کی نشست ہوئی۔ امیر حلقہ کی دعا پر پروگرام کا اختتام ہوا۔

(رپورٹ: حضرت نبی محسن)

One thing we must not forget. The time for an alternative to the status quo of liberal democracy has come. Irrespective of our assistance to MMA and irrespective of its success or failure, the future belongs to Islam in Muslim lands. Democracy is just one of the many tools of the overall just order of Islam. Analysts such as John L. Esposito and Noah Feldman have foreseen this eventuality. Martin Kramer summarizes their thought like this: "Islamists...are actually the best hope for democracy in the Middle East. Leading Islamist thinkers want democracy, and if Islamist parties were allowed to take power- -which they certainly would do in free elections —it would be an improvement over the situation today. Even if Islamists declared 'Islamic' states on assuming power, these regimes would probably be more or less democratic, provided you don't insist on a narrow, culture-bound definition of democracy. The United States is making a big mistake by allying itself with autocratic rulers in the region, and it's betraying its values too. It should encourage inevitable change in the Islamists' favor, which is really in the U.S. interest."[3]

Their thought needs just minor correction. It is not only Islamists, but Muslims want to live their lives according to Islam and given a chance, both the artificial extremes -- the so labeled "fundamentalists" and the self-proclaimed "moderates" - will automatically disappear. Giving Muslim a chance means, saying good-bye to the undue support extended to the so-called pro-West and the undue demonization of the "anti-West" elements, both of which can be counted on fingertips. Actually both of these extremes have some interests, other than democracy, modernity or Islam, at stake. Giving majority of Muslims a chance to build their systems, starting with incubators, such as NWFP, would prove that the differences among these extremes are all but insignificant. However, their positive contribution, above their personal interests, is of vital importance for a balanced alternative for human governance.

افہام وتفہیم | محترم ڈاکٹر اسرار احمد سے سوال و جواب کی نشست

س : حضرت عیسیٰؑ کے اٹھائے جانے اور واپس آنے کے بارے میں عیسائیوں اور یہودیوں کا عقیدہ کیا ہے؟

ج : یہودی تو حضرت عیسیٰؑ کا نہ اٹھایا جانا مانتے ہیں' نہ دوبارہ آنا۔ وہ حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا نبی ہی نہیں مانتے۔ انہوں نے تو قرار دیا تھا کہ یہ جادوگر ہے' مرتد ہے' کافر ہے۔ یہ درحقیقت یہودی مذہبی عدالت کا فیصلہ تھا کہ آپؑ کو سولی پر چڑھا دیا جائے۔ لہٰذا یہودیوں کا تو اس بارے میں کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ البتہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے عقیدہ میں فرق ہے۔

عیسائی یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ سولی دیئے گئے اور وہاں ان کی موت واقع ہوگئی۔ پھر ان کے جسد اطہر کو ایک غار کے اندر رکھ دیا گیا عارضی طور پر' ابھی قبر تیار ہونا تھی۔ وہاں تیسرے دن وہ جی اٹھے اور پھر آسمان پر اٹھا لئے گئے۔ اب وہ دوبارہ آئیں گے یعنی قیامت کے قریب ان کا نزول ہوگا۔ جبکہ ہم مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نہ سولی دیئے گئے نہ پھانسی چڑھے۔ بلکہ زندہ آسمانوں پر اٹھا لئے گئے۔ اور یہ قیامت سے قبل دوبارہ آئیں گے۔ حضرت عیسیٰؑ کا دوبارہ آنا (Second Comming of Jesus) ہمارے اور عیسائیوں کے درمیان متفق علیہ ہے۔ وہ بھی انتظار کر رہے ہیں اور مسلمان علماء بھی یقین رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ آئیں گے۔ عیسائیوں کے درمیان اور مسلمانوں کے درمیان ان کا زندہ آسمان پر اٹھایا جانا بھی مشترک ہے۔ البتہ سولی دیئے جانے میں اختلاف ہے۔ ہمیں قرآن یا حدیث میں یہ تو ملتا ہے کہ عیسیٰؑ سولی نہیں چڑھائے گئے تھے بلکہ انہیں زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا۔ لیکن یہ تفصیل نہیں ملتی کہ سولی کون چڑھا تھا' اس بارے میں کسی مسلمان کے ہاں اس کا جواب نہیں ملتا۔ جبکہ سولی کا واقعہ تو ہوا ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ اگر حضرت عیسیٰؑ سولی نہیں چڑھائے گئے تو کون چڑھایا گیا؟ اس کا جواب برناباس کی انجیل میں ہے۔ عیسائی صرف چار انجیلوں کو صحیح سمجھتے ہیں جو ان کے نزدیک مستند ہیں' متی کی انجیل' مارس کی انجیل' لوقا کی انجیل اور جان کی انجیل۔ یہ چاروں انجیلیں Old Testament میں ملتی ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ بہت سی انجیلیں موجود ہیں انہیں یہ مستند تسلیم نہیں کرتے۔ ان میں سے ایک انجیل برناباس ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے حوارین میں سے ایک حواری کا نام برناباس تھا' اس نے اس واقعہ کی تفصیل بیان کی ہے کہ درحقیقت ایک حواری جس کا نام Judas تھا' اس نے بے وفائی کی' غداری کی اور جہاں حضرت مسیحؑ روپوش تھے اس کی خبر جا کر پولیس کو کر دی اور سپاہیوں کو لے کر آیا گرفتار کرانے کے لئے۔ لیکن اللہ نے اس کی شکل بدل دی حضرت عیسیٰؑ کی صورت سے' لہٰذا وہ خود گرفتار ہوا اور سولی چڑھا ہے۔

س : آپ نے فرمایا ہے کہ جب حضرت مہدی آئیں گے تو پاکستان میں ضرور ایک اسلامی حکومت قائم ہو گی۔ اور یہ کہ دنیا اب ایک ہی ملک یعنی ورلڈ آرڈر کی طرف جا رہی ہے تو کیا سرحدیں نہیں رہیں گی اور پوری دنیا کے مسلمان کعبے کی طرف چل پڑیں گے؟

ج : پہلی بات تو یہ ہے کہ میری طرف آپ نے یہ بات غلط منسوب کی ہے۔ دراصل حضرت مہدی کی آمد کے بعد تو حدیث میں آتا ہے کہ ایک مشرقی ملک سے فوجیں جائیں گی جو ان کی حکومت قائم کریں گی۔ لہٰذا میرا گمان غالب یہ ہے کہ ان کی آمد اور ورود سے قبل پاکستان اور افغانستان میں مل کر ایک اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی' اگرچہ اس کے کوئی آثار ابھی تک موجود نہیں ہیں' لیکن گمان ہے' ایک امید ہے' ایک خیال ہے بس اس سے زیادہ نہیں۔ لیکن یہ نہیں ہے کہ حضرت مہدی آئیں گے تو پاکستان میں اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی۔ یہ میں نے کبھی نہیں کہا۔

دنیا واقعتاً ایک ورلڈ آرڈر کی طرف جا رہی ہے یہ تو بات صحیح ہے۔ لیکن یہ ورلڈ آرڈر جس کی طرف دنیا جا رہی ہے نیو ورلڈ آرڈر نہیں' جیو ورلڈ آرڈر ہے۔ البتہ ان شاءاللہ تعالیٰ یہ جیو ورلڈ آرڈر قائم نہیں ہوگا بلکہ جسٹ ورلڈ آرڈر یعنی اسلام کا نظام حق پوری دنیا میں قائم ہوگا۔ اس سے پہلے ہم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا مصائب آنے ہیں ان کا تذکرہ بھی احادیث میں ملتا ہے۔ البتہ یہ کب ہوگا اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

س : موجودہ ہنگامی صورت حال میں تنظیم اسلامی گومگو کی حالت میں کیوں ہے؟

ج : ہمارا موقف تو کبھی تبدیل نہیں ہوا' اور نہ ہی ہم گومگو کی کیفیت میں ہیں۔ الحمدللہ ہمارے سامنے ساری صورت حال واضح ہے اور ہم تو صحیح احادیث کی روشنی میں پوری بات بتا رہے ہیں کہ یہ ہونا ہے' اس طرح ہونا ہے۔ ہم مسلمانوں کو اپنی کوتاہیوں کی سزا ملنی ہے۔ اس لئے کہ یورپی استعمار سے آزادی حاصل ہونے کے بعد کسی مسلمان ملک نے اسلامی نظام قائم نہیں کیا۔ یہ جرم بہت بڑا ہے جس کی سزا ہمیں مل رہی ہے' ملے گی۔ عربوں کی سزا شدید ہو گی اس لئے کہ ان کی مادری زبان میں اللہ کا کلام موجود ہے۔ دوسرے حضور ﷺ ان میں سے تھے۔ لیکن انہوں نے اللہ کا دین قائم نہیں کیا لہٰذا اللہ کی طرف سے سزا کے طور پر وہ زیادہ مشکلات کا شکار ہوں گے۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا علاج صرف ایک ہے۔ کسی Sizeable ملک میں اسلامی نظام قائم کیا جائے' تا کہ ہم اللہ کی طرف سے پوری دنیا پر حجت قائم کر دیں کہ اپنی آنکھوں سے آ کر دیکھو کہ یہ اسلام ہے۔ تنظیم اسلامی اسی کی جدوجہد پاکستان میں کر رہی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ لوگ ہماری طرف زیادہ متوجہ نہیں ہو رہے۔ اگر حضرت نوحؑ پر ساڑھے نو سو برس میں بھی کل ستر یا بہتر آدمی متوجہ ہوئے تو ہم کس کھیت کی مولی ہیں۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ اچانک کوئی تبدیلی آئے اور لوگوں کی توجہ ہو جائے اور وہ اس بات کو تسلیم کر لیں کہ یہاں الیکشن کے ذریعے سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ایک پُر امن' منظم' عوامی احتجاجی تحریک کے ذریعے سے اسلام یہاں آ سکتا ہے۔

Vol:12 Regd. No.LRL-50 No.23
Weekly *Nida-e-Khilafat* Lahore

View Point

Abid Ullah Jan
(E-mail: abidjan@tanzeem.org)

Seize the Future in NWFP

The news of Americans bombing mosques, raiding homes and FBI looking for more active role in Pakistan's internal affairs are making far fewer concerned-headlines than the fear of *Shari'ah* bill. The phrase, "*Shari'ah* coming to town," sounds like an advertisement of some horror movie like Dracula, Frankenstein, or Wolfman.

To the contrary, it is a great opportunity for Muslims to seize the future in NWFP, provided they do not get lost in the headlines. They have to zoom out and look at what is happening around on global scale and what role an otherwise insignificant NWFP can play.

NWFP is not in the news because the centre and province are going in opposite directions. No one cares if elected government in the province is ordered to pack up tomorrow. From the opposition leaders in Pakistan to the self-proclaimed moderate leaders abroad, almost all Muslims admit that the real concept of Islam has to be protected and promoted.

As portrayed, the problem does not lie in whether MMA would use *Shari'ah* as a tool of oppression or justice. The fear is not that MMA would not be able to deal with the complexities of a plethora of issues in a world fast moving towards globalization. Even the fear of Talibanisation is not genuine. The problem is that the prospects an alternative to the status quo of democracy need elimination and MMA provides a perfect opportunity as a scapegoat.

The actual fear is that NWFP might become an incubator for developing a governing mechanism, which might serve as a model for an Islamic state. It may sound utopian, but for the stakeholders in democracy, it is a mini-Afghanistan all over again. "Talibanisation," as they project it, might not happen at all. However, something to scare the public is there already. It will sound utopian as long as we look at it from the perspective of a person lost in the headlines, or someone not willing to remove the blinders of secularism, or someone refusing to come out of the wonderland of liberal democracy.

Encouraged by the events of September 11 and the U.S. preparation for invading and occupying Afghanistan, Francis Fukuyama declared in an article in the *Wall Street Journal* on October 5, 2001, that his "end of history" thesis remains valid twelve years after he first presented it in 1989. Fukuyama's core argument was that after the defeat of Communism and National Socialism, no serious ideological competitor to Western-style liberal democracy was likely to emerge in the future. Thus, in terms of political philosophy, liberal democracy is the end of the evolutionary process.

There is nothing beyond liberal democracy "towards which we could expect to evolve." Fukuyama concludes by stating that there will be challenges from those who resist progress, "but time and resources are on the side of modernity."

Indeed, but are the principles of democracy and practices of its proponents on the side of liberal democracy? No doubt, Fukuyama is very likely right that the current crisis will be overcome, and that, in the near future, there will be no serious ideological challenge. Nevertheless, there already are alternative ideologies to liberal democracy within and outside the West that for decades have been steadily, and almost imperceptibly, evolving. The question is not whether democracy, crippled by its own principles and practitioners, will survive in its present form. It is rather: what will ultimately prevail?

So, the real fear is about what is going to prevail. This fear does not allow the stakeholders in liberal democracy to get something evolved in the name of Islam, whether that is in an independent state, such as Afghanistan, or a dependent province as we see in NWFP. They understand that if the Islamic *Shari'ah* means merely the payment of Zakat and the offering of five prayers, even Muslims in occupied Afghanistan, Iraq, and Palestine and elsewhere are free to perform these rituals as they like. Establishing a just social, political and economic order, running affairs of a people according to Islam, and providing a conducive environment for implementation of *Shari'ah* is the actual arduous task that will set a precedent as well as provide an alternative to the moribund democracy.

A growing number of analysts are coming out to say loud and clear that it is not democracy that is practiced or preached by its leading promoters. Like many others, John Gerassi of a Canada based research organisation recently declared: "It is now time to say and act upon the fact that the United States, as a state, is Fascist." [1] Those who jump to the conclusions know very well that the much-trumpeted "harsh rule" of the Taliban would look like the most liberal rule only if we compare it with the U.S.-funded and fully supported occupation, repressive and apartheid policies of Israeli government. [2] Not to speak of what is happening in Afghanistan for the last two years and what has just begun in Iraq. We must not forget that there is no *Shari'ah* enforced in Chechnya, Kashmir, Algeria, etc. Why should the imaginary fear of Islamic system outweigh the real atrocities going on before our eyes?

Undoubtedly, due to the Taliban's ignorance of the world politics, their over-literal focus on individual Qur'anic verses and *ahadith* helped the West obscure the larger picture. Whatever weaknesses the Taliban had in their rule were bound to end with their increasing interaction with others and learning statecraft. That is why the objective of stakeholders in democracy was not to let them interact and evolve a governing mechanism in the first place. Still, Islam is the scapegoat for their half-backed attempts at implementing Islam.

It can be very easily and logically proved that democracy has not as much outlived its utility as much it is manipulated by select interest groups. Its evolution into a totalist ideology and authoritarian state structure is very obvious. The principle of secularism and false notions of freedom have sapped the soul and wrecked the social fabric of secular societies. No one could believe in the unraveling of Soviet Union even a few months before its real disintegration. So no wonder if the end of democracy is a laughable idea for many.

Its translation into reality, at least in Muslim countries, is possible through full input for developing NWFP into a model society based on the principles of Islam. Instead of isolating or demonizing MMA, like the Taliban, there should be a generous exchange of ideas with the leadership in NWFP. If we have a better picture of an Islamic society and systems in mind, let us share it with the concerned authorities for course correction and controlled evolution. Let us help MMA evolve a system that is acceptable not only to MMA but to the great majority of Muslims. Throwing baby with bathwater has not helped any of the secular countries, nor will it help anyone else.